Registered No. L. 4186

جلد ۲۰ — عدد ۳

ربیع الاول ۱۳۶۱ھ

۸۶ء

ماہ نامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابو الاعلیٰ مودودی

مبارک پارک ۔ پونچھ روڈ ۔ لاہور

قیمت سالانہ ۵ر

قیمت فی پرچہ ۸ر

خـــالی   صفحـــه

فہرست مضامین

ربیع الاول سنہ ۱۳۶۱ھ (اپریل سنہ ۱۹۴۲ء) جلد ۲۰ عدد ۳

باہتمام ابوالاعلیٰ مودودی پرنٹر وپبلشر دین محمدی

الیکٹرک پریس سرکلر روڈ میں طبع ہو کر دفتر

"ترجمان القرآن"، پونچھ روڈ، مبارک پارک

لاہور سے شائع ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

اشارات

فروری میں "جماعت اسلامی" کی مجلس شوریٰ کا جو اجتماع ہوا تھا اس میں مختلف مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ طے کیا گیا تھا کہ ایک مرکزی ادارہ قائم کرنے کے لیے اگر کوئی مستقل مقام میسر نہیں آتا تو سردست عارضی طور پر ہی ایک مرکز بنا لیا جائے تاکہ وہاں ہم اپنی قوت کے ایک معتدبہ حصہ کو مجتمع کر سکیں اور ضروری تعمیری کاموں کی بنا رکھ دیں۔ اس غرض کے لیے ابتداءً سیالکوٹ کے ضلع میں ایک مناسب مقام منتخب کر لیا گیا تھا اور بیرونی جماعتوں کو اس کی اطلاع بھی دیدی گئی تھی، مگر بعد میں چند اسباب سے اس تجویز کو ترک کر دینا پڑا۔ اب میں نے ارکان شوریٰ کے مشورے سے پٹھان کوٹ کے قریب قریہ جمال پور کی طرف منتقل ہونے کا فیصلہ کیا ہے جہاں چوہدری نیاز علی خاں صاحب نے ازراہ عنایت اپنے وقف کی عمارات ہمیں مستعار دینا قبول فرما لیا ہے۔ ان شاء اللہ ۱۵ جون تک میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ وہاں منتقل ہو جاؤں گا اور دفتر ترجمان القرآن بھی اب وہیں رہے گا۔ آئندہ تمام مراسلت اس پتہ پر ہونی چاہیے: دفتر ترجمان القرآن، ادارہ دارالاسلام پٹھان کوٹ۔ ریل یا موٹر بس سے وہاں پہنچنے کے لیے سرنا اسٹیشن کا ٹکٹ لیا جاتا ہے جو امرتسر ـ پٹھان کوٹ لائن پر آخری اسٹیشن ہے۔

یہ نقل مقام عارضی ہے۔ سردست صرف زمانہ جنگ کے لیے اس جگہ کو جماعت کا مرکز بنایا گیا ہے آئندہ جو اللہ کی مشیت ہو۔

جنگ کی وجہ سے جو صورت حال اس وقت ہندوستان میں پیدا ہو چکی ہے اس میں روز بروز یہ اندیشہ قوی ہوتا جاتا ہے کہ ہماری تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ زیادہ مدت تک جاری نہ رہ سکے گا۔ اگرچہ میں نے اپنے امکانی ذرائع سے کام لے کر اب تک کسی نہ کسی طرح کام جاری رکھا ہے، لیکن مشکلات اب اتنی بڑھ گئی ہیں کہ اگر کوئی اجتماعی کوشش نہ کی گئی تو میری انفرادی قوت تین چار مہینہ سے زیادہ اس کام کو نہ سنبھال سکے گی۔ اشاعت کے کام کو آخر وقت

تک جاری رکھنے کی واحد صورت مجھے یہ نظر آتی ہے کہ ہمارا اپنا ایک پریس ہو جسے ہم اپنے ساتھ ہی اپنے مرکز میں رکھیں اور کاغذ کا کم از کم اتنا ذخیرہ فراہم کر لیا جائے جو دو ڈیڑھ سال تک کام دے سکے۔ اس غرض کے لیے ہمیں پانچ ہزار روپے کی ضرورت ہے۔ اس رقم کی فراہمی کے لیے جو حضرات قرض حسن سے ہماری اعانت فرمائیں گے ان کی عطا کردہ رقمیں تابحد امکان جلدی سے جلدی ادا کر دی جائیں گی۔ اور جو حضرات فی سبیل اللہ ہماری اعانت فرمائیں، ان کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ پریس اور کاغذ کا ذخیرہ، دونوں چیزیں میری ذاتی ملک نہ ہوں گی بلکہ جماعت اسلامی کی ملک ہوں گی اور انشاء اللہ یہ تدبیر جماعت اور اس کے کام کے لیے بہت بڑی تقویت کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

جن حضرات کے ذمہ اس دفتر کی کتابوں کا حساب واجب الادا ہے اُن سے گذارش ہے کہ براہ کرم اپنا حساب بے باق کرنے میں عجلت فرمائیں۔

اسی سلسلہ میں مجھے دلی رنج و افسوس کے ساتھ ناظرین کو یہ اطلاع بھی دینی ہے کہ کاغذ کی کمیابی کے سبب سے میں ترجمان القرآن کی ضخامت میں مزید آٹھ صفحات کی تخفیف کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ جب تک معاملہ محض گرانی تک رہا میں نے ہر قیمت پر اس رسالہ کی شان اور ضخامت برقرار رکھی لیکن اب بازار میں کاغذ کا ملنا ہی مشکل ہو رہا ہے اس لیے تخفیف کے سوا چارہ نہیں۔ تاہم یہ تخفیف عارضی ہے اگر ہمیں کاغذ کا کافی ذخیرہ فراہم کرنے میں کامیابی ہو گئی تو انشاء اللہ پرچہ پھر ۷۲ صفحات ہی پر شائع کیا جائے گا۔

دستور جماعت پر پچھلے دس مہینوں میں مختلف حلقوں سے جن شبہات و اعتراضات کا اظہار کیا گیا ہے ان پر میں نے اور میرے رفقاء نے حتی الامکان پورے انصاف کے ساتھ غور کیا ہے۔ جن مقامات پر واقعی کسی شبہ کی گنجائش تھی، یا جن اعتراضات میں کوئی وزن ہم نے محسوس کیا ان کو ملحوظ رکھ کر ہم نے عبارات میں ترمیم کر دی ہے۔ یہ ترمیم شدہ دستور شائع ہو چکا ہے۔ جن اصحاب کے پاس پہلے دستور کی کاپیاں ہوں وہ براہ کرم اس سے مقابلہ کر کے اصلاح کر لیں۔

ہم اُن حضرات کے بہت شکر گزار ہیں جنھوں نے دستور پر اپنی توجہات مبذول فرمائیں اور اپنے شبہات کے اظہار

سے ہم کو یہ دیکھنے کا موقع دیا کہ اس میں کہاں کوئی کمزوری ہے۔ رہے وہ اعتراضات جن کو ہم نے اتنا وزنی نہیں پایا کہ انھیں قبول کر کے دستور میں ترمیم کرتے، تو اُن کے مصنفین سے ہم گزارش کریں گے کہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ وہ خود ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں گے تو انھیں محسوس ہو جائے گا کہ ان کے اعتراضات زیادہ تر تعبیرات پر ہیں نہ کہ نفسِ مدعا پر، اور تعبیرات میں دنیا کا کوئی بڑے سے بڑا قادر الکلام آدمی بھی شاید اتنا کامیاب نہیں ہو سکتا کہ سب لوگ اُس کے طرزِ تعبیر سے مطمئن ہو جائیں اور کسی کو کہیں سے گرفت کی گنجائش نہ ملے۔ ہر شخص یا گروہ اپنے مدعا کو ظاہر کرنے کے لیے بہر حال ایک خاص انداز کی عبارت اختیار کرتا ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ تمام اشخاص اور گروہوں کے مذاق سے مطابقت رکھتی ہو۔ اگر مدارِ بحث اس چیز کو بنا لیا جائے تو ایک معنی کے لیے جو عبارت بھی اختیار کی جائے گی وہ اعتراضات سے نہ بچ سکے گی حتیٰ کہ یہ سلسلہ کہیں اس وقت ختم ہو گا جبکہ شاید معنی ہر لباسِ عبارت سے عاری ہو کر رہ جائے۔ اہلِ عقل کا کام یہ نہیں ہے کہ الفاظ و عبارات کو خوردبین لگا کر دیکھیں اور شبہات و اعتراضات کی گنجائشیں ڈھونڈیں۔ انھیں مدعا کو دیکھنا چاہیے اور مدعا اگر برحق ہو تو محض اس بنا پر ایک حق بات کی مخالفت نہ کرنی چاہیے کہ اسے بیان کرنے کے لیے وہ طریقہ اختیار نہیں کیا گیا جو ان کے مذاق کے مطابق ہوتا۔

خالص تعبیری اعتراضات کے علاوہ بعض اعتراضات ایسے بھی ہماری نگاہ سے گزرے ہیں جن میں فقیہانہ اور متکلمانہ باریک بینی سے کام لیا گیا ہے۔ اس باب میں ہم ایک اصولی حقیقت کی طرف اشارہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں جسے اگر ذہن نشین کر لیا جائے تو ایسے تمام اعتراضات کا دروازہ خود ہی بند ہو جاتا ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ دعوت کی زبان اور فقہ و کلام کی زبان میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے اور ان دونوں کاموں کی نوعیت کچھ ہے ہی اتنی مختلف کہ دونوں کے لیے ایک انداز بیان کبھی موزوں نہیں ہو سکتا۔ فقیہ چونکہ احکامِ شریعت اور اُن کے بھی زیادہ تر جزئیات سے بحث کرتا ہے، لہٰذا اس کے لیے ناگزیر ہے کہ قانون کی نپی تُلی زبان استعمال کرے اور اپنے ہر بیان کو قیود اور تخصیصات سے مقید کر دے تاکہ ایک حکم جس صورتِ معاملہ سے متعلق ہے اس کے پورے

حدود پر حاوی بھی ہو اور کسی قریب تر مگر مختلف صورتِ معاملہ کے حکم سے خلط ملط بھی نہ ہو جائے۔ اسی طرح متکلم کو چونکہ عقائد کے جزئیات و فروع اور جدل و خلاف کے مسائل سے بحث کرنی ہوتی ہے اس لیے وہ بھی مجبور ہے کہ فروعی مسائل کے حدود الگ الگ بیان کرے، تمام ممکن تشقیقات کو ملحوظ رکھے، اور ایسی ٹھکی اور کسی ہوئی زبان میں کلام کرے کہ فروعی حد بندیوں میں التباس و اشتباہ کی گنجائش نہ نکل سکے بخلاف اس کے داعی کا کام نہ فتویٰ دینا ہے اور نہ اعتقادی مسائل کا تجزیہ کرنا۔ اسے تو اصل دین کی طرف لوگوں کو پکارنا اور دیانت و اخلاق کے بلند ترین مراتب کی طرف قلوب کو کھینچنا ہوتا ہے۔ اس لیے اسے تذکیر کی موثر زبان اختیار کرنی ہوتی ہے۔ اگر اس کام میں وہ قانونی زبان استعمال کرے یا جدل و خلاف کی زبان میں گفتگو کرنے لگے تو اس کی دعوت بالکل ہی بے اثر ہو کر رہ جائے۔ قانون اور کلام کی زبان میں دعوت نہ کبھی دی گئی ہے، نہ دی جا سکتی ہے، اور اگر دی بھی جائے تو کبھی موثر نہیں ہو سکتی۔ داعی کو اصل کام کی نوعیت ہی مجبور کرتی ہے کہ قانونی باریکیوں اور کلامی جزئیات سے واقف ہونے کے باوجود اپنی دعوت میں ان کو بالقصد نظر انداز کر جائے۔ کیونکہ بالعموم ان باریکیوں کو ملحوظ رکھنا دعوت کی راہ میں نہ صرف یہ کہ مددگار نہیں ہوتا بلکہ اُلٹا اثر کرتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ قانونیت اور جدل و کلام میں جن لوگوں کا استغراق زیادہ بڑھ گیا ہے وہ اس لطیف فرق کو نہیں سمجھتے اور دعوت کی زبان کو بھی اپنے فن کی کسوٹیوں پر کسنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اگر وہ قرآن و حدیث میں غور کریں تو انھیں معلوم ہو جائے کہ خود اللہ اور اُس کے رسولِ برحق نے بھی دعوت اور قانون کے لیے الگ الگ زبان اختیار فرمائی ہے اور دعوت میں ان تمام باریکیوں کو نظر انداز کر دیا ہے جو فتوے میں ملحوظ رکھی جاتی ہیں۔

اجتماعِ اول کی روداد پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، اُن پر بھی میں نے اور میرے رفقاء نے اچھی طرح غور کر لیا ہے۔ ان شاء اللہ عنقریب اس کو دوبارہ شائع کرنے کی نوبت آئے گی۔ اُس وقت ایسی توضیحات کر دی جائیں گی جن سے اہلِ حق کی تشفی ہو جائے گی۔ رہیں بدگمانیاں، تو ان کو

رفع کرنا کسی کے بس کا کام نہیں ہے۔ انھیں رفع کرنے کی کوشش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ہم یہ سعی کریں گے کہ اپنے نفس اور اپنے عمل کو بدگمانی کی ہر جائز وجہ سے پاک رکھیں اور اپنا دامن پاک ہی لیے ہوئے اپنے مالک کے حضور میں جا پہنچیں۔ اب جو لوگ اپنے قیاس و گمان پر اتنا اعتماد رکھتے ہیں کہ آخرت کی جوابدہی کا خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہیں، انھیں اختیار ہے کہ جس قدر چاہیں ہمارے متعلق بدگمانیوں کی اشاعت کریں۔ ایک وقت آئے گا کہ انھیں خود اپنے گمانوں کی حقیقت معلوم ہو جائے گی۔

"تفہیم القرآن" کے سلسلہ میں بعض حضرات نے اس بات پر اعتراض کیا ہے کہ قرآن مجید کی اصل عبارت ساتھ ساتھ کیوں نہیں دی جاتی۔ میں ان کو اطمینان دلاتا ہوں کہ قرآن کا ترجمہ بلا متن شائع کرنے کو جس قدر برا وہ سمجھتے ہیں اتنا ہی برا میں بھی سمجھتا ہوں لیکن اول تو میں ترجمہ نہیں بلکہ ترجمانی کر رہا ہوں جو لفظی قیود سے ایک حد تک آزاد ہے اور دوسرے یہ کہ رسالہ میں اس کی اشاعت محض مسودہ کی حیثیت سے ہو رہی ہے اور زیادہ تر اس کی غرض اہل علم سے مشورہ لینا ہے۔ پھر میں یہ بھی اعلان کر چکا ہوں کہ کتابی شکل میں اسے جب شائع کیا جائے گا اس وقت نہ صرف یہ کہ متن اس کے ساتھ ہوگا بلکہ شاہ صاحب کا لفظی ترجمہ بھی بین السطور درج کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد میں نہیں سمجھتا کہ اس سلسلہ کو رسالہ میں متن کے بغیر درج کرنا کس دلیل سے ناجائز ہے۔

تفہیم القرآن

(۳)

البقرہ

(از رکوع ۱۵ تا رکوع ۲۳)

اے [1] بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جس سے میں نے تمھیں نوازا تھا، اور یہ کہ میں نے تمھیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔ اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو فائدہ دے گی، اور نہ مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

---

[1] یہاں سے ایک دوسرا سلسلۂ تقریر شروع ہوتا ہے جسے سمجھنے کے لیے حسب ذیل امور کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے:

(۱) حضرت نوح کے بعد حضرت ابراہیم پہلے نبی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کے لیے مقرر کیا تھا۔ انھوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستانِ عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرماں برداری (یعنی اسلام) کی طرف لوگوں کو دعوت دی، پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لیے مختلف علاقوں میں خلیفہ مقرر کیے، شرقِ اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحٰق کو، اندرونِ عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو مامور کیا، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے، اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا۔

(۲) حضرت ابراہیم کی نسل سے دو بڑی شاخیں نکلیں۔ ایک حضرت اسماعیل کی اولاد جو عرب میں رہی۔ قریش اور عرب کے بعض دوسرے قبائل کا تعلق اسی شاخ سے تھا۔ اور جو عرب قبیلے نسلاً حضرت اسماعیل کی اولاد نہ تھے (باقی حاشیہ صفحہ اگلے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۱) وہ بھی چونکہ اُن کے پھیلائے ہوئے مذہب سے کم و بیش متاثر تھے اس لیے اپنا سلسلہ اُنہی سے جوڑتے تھے۔ دوسرے حضرت اسحاق کی اولاد جن میں حضرت یعقوب، یوسف، موسیٰ، داؤد، سلیمان، یحییٰ، عیسیٰ اور بہت سے انبیاء علیہم السلام پیدا ہوئے، اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، حضرت یعقوب کا نام چونکہ اسرائیل تھا اس لیے یہ نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ اُن کی تبلیغ سے جن دوسری قوموں نے اُن کا دین قبول کیا انھوں نے یا تو اپنی انفرادیت ہی اُن کے اندر گم کر دی، یا وہ نسلاً تو اُن سے الگ رہے، مگر مذہباً اُن کے تبع رہے۔ اسی شاخ میں جب پستی و تنزل کا دور آیا تو پہلے یہودیت پیدا ہوئی، اور پھر عیسائیت نے جنم لیا۔

(۳) حضرت ابراہیم کا اصل کام دنیا کو اللہ کی اطاعت کی طرف بلانا اور اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہدایت کے مطابق انسانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام درست کرنا تھا۔ وہ خود اللہ کے مطیع تھے، اس کے دیے ہوئے علم کی پیروی کرتے تھے، دنیا میں اس علم کو پھیلاتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ سب انسان مالکِ کائنات کے مطیع ہو کر رہیں۔ یہی خدمت تھی جس کے لیے وہ دنیا کے امام و پیشوا بنائے گئے تھے۔ اُن کے بعد یہ امامت کا منصب اُن کی نسل کی اس شاخ کو ملا جو حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب سے چلی اور بنی اسرائیل کہلائی۔ اسی میں انبیاء پیدا ہوتے رہے، اسی کو راہِ راست کا علم دیا گیا، اسی کے سپرد یہ خدمت کی گئی کہ اس راہِ راست کی طرف تمام عالم کی رہنمائی کرے، اور یہی وہ نعمت تھی جسے اللہ تعالیٰ بار بار اس نسل کے لوگوں کو یاد دلا رہا ہے۔ اس شاخ کا مرکز بیت المقدس تھا اس لیے جب تک یہ شاخ امامت کے منصب پر قائم رہی بیت المقدس ہی دعوت الی اللہ کا مرکز اور خدا پرستوں کا قبلہ رہا۔

(۴) پچھلے دس رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے اُن کی تاریخی فردِ قرار دادِ جرم اور اُن کی وہ موجودہ حالت جو نزولِ قرآن کے وقت تھی بے کم و کاست پیش کر دی ہے اور ان کو یہ بتا دیا ہے کہ تم ہماری اس نعمت کی انتہائی ناقدری کر چکے ہو جو ہم نے تمھیں دی تھی، تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ منصبِ امامت کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا بلکہ خود بھی حق اور راستی سے پھر گئے، اور اب ایک نہایت قلیل عنصرِ صالح کے سوا تمھاری پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے۔

(۵) اس کے بعد اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ امامت ابراہیم کے نطفہ کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ اس سچی اطاعت و فرماں برداری کا پھل ہے جس میں ہمارے اس بندے نے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا، اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقہ پر خود چلیں اور دنیا کو اس طریقہ پر چلانے کی خدمت انجام دیں۔ چونکہ تم اس طریقہ سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۴ پر)

تمھیں یاد ہے وہ واقعہ کہ ابراہیم کو اُس کے ربّ نے چند باتوں میں آزمایا تھا اور جب وہ ان سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) گمراہ ہو چکے ہیں لہٰذا انھیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔

(۶) ساتھ ہی اشاروں اشاروں میں یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ جو غیر اسرائیلی قومیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کے واسطے سے حضرت ابراہیم کے ساتھ اپنا تعلق جوڑتی ہیں وہ بھی ابراہیمی طریقے سے ہٹی ہوئی ہیں، نیز مشرکینِ عرب بھی جو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام سے اپنے تعلق پر فخر کرتے ہیں محض نسل و نسب کے فخر کیے بیٹھے ہیں، ورنہ ابراہیم و اسمٰعیل کے طریقے سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ لہٰذا ان میں سے بھی کوئی امامت کا حق دار نہیں۔

(۷) پھر یہ بات ارشاد ہوتی ہے کہ اب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی دوسری شاخ، بنی اسمٰعیل میں وہ رسول پیدا کیا ہے جس کے لیے ابراہیم اور اسمٰعیل نے دعا کی تھی۔ اس کا طریقہ وہی ہے جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب اور دوسرے تمام انبیا کا تھا۔ وہ اور اس کے پیرو تمام ان پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں جو دنیا میں خدا کی طرف سے آئے ہیں، اور اسی راستے کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں جس کی طرف تمام انبیا دعوت دیتے چلے آئے ہیں۔ لہٰذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو اس رسول کی پیروی کریں۔

(۸) تبدیلِ امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر قبلے کی تبدیلی کا اعلان ہونا بھی ضروری تھا۔ جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا، بیت المقدس مرکزِ دعوت رہا اور وہی قبلۂ اہلِ حق رہا اور خود نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرو بھی اس وقت تک بیت المقدس ہی کو قبلہ بنائے ہوئے تھے۔ مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کیے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت آپ سے آپ ختم ہو گئی۔ لہٰذا اعلان کر دیا گیا کہ اب وہ مقام مرکز ہے جہاں سے اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے، اور چونکہ ابتدا میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا مرکز بھی یہی تھا، اس لیے اہلِ کتاب اور مشرکین، کسی کے لیے بھی یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبہ ہی کو پہنچتا ہے۔ ہٹ دھرمی کی بات دوسری ہے کہ وہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی اعتراض کیے چلے جائیں۔

(۹) امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت اور کعبے کی مرکزیت کا اعلان کرنے کے بعد ہی، اللہ تعالیٰ نے ہدایتوں کا سلسلہ شروع فرمایا تاکہ مسلسل اس امت کو وہ ہدایات دی جائیں جن پر اسے عمل پیرا ہونا چاہیے۔

(حاشیہ صفحہ ۱۵۳) قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام کٹھن آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جن سے گزر کر (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ)

میں پورا اتر گیا تو اُس نے کہا "میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں"۔ ابراہیم نے عرض کیا "اور کیا میری اولاد سے بھی یہی وعدہ ہے؟" اُس نے جواب دیا "میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے"[124]۔

اور یہ کہ ہم نے اِس گھر (کعبہ) کو لوگوں کے لیے مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا تھا اور لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم جہاں عبادت کے لیے کھڑا ہوتا ہے اُس مقام کو مستقل جائے نماز بنا لو، اور ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی تھی کہ میرے اِس گھر کو طواف اور اعتکاف اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو[125]۔

اور یہ کہ ابراہیم نے دعا کی "اے میرے مالک! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے، اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں اُنھیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے"۔ جواب میں اُس کے رب نے فرمایا "اور جو نہ مانے گا، دنیا کی چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اُسے بھی دوں گا[126] مگر آخر کار اُسے عذاب جہنم کی طرف گھسیٹوں گا، اور وہ بدترین ٹھکانا ہے"۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۳) حضرت ابراہیم نے اپنے آپ کو اس بات کا اہل ثابت کیا تھا کہ انھیں بنی نوع انسان کا امام و رہنما بنایا جائے۔ جس وقت سے حق اُن پر منکشف ہوا اس وقت سے لے کر دم آخر تک اُن کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی قربانی تھی۔ دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے، اُن میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے اُن میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انھوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلا ہو۔

(حواشی صفحہ ہذا) [124] یعنی یہ وعدہ تمھاری اولاد کے صرف اُس حصے سے تعلق رکھتا ہے جو صالح ہو۔ ان میں سے جو ظالم ہوں گے اُن کے لیے یہ وعدہ نہیں ہے۔

[125] پاک رکھنے سے مراد صرف یہی نہیں ہے کہ اُسے کوڑے کرکٹ سے پاک رکھا جائے بلکہ خدا کے گھر کی اصل پاکی یہ ہے کہ اس میں خدا کے سوا کسی کا نام بلند نہ ہو۔ جس نے خانۂ خدا میں خدا کے سوا کسی دوسرے کو مالک، معبود، حاجت روا اور فریاد رس کی حیثیت سے پکارا اس نے حقیقت میں اُسے گندا کر دیا۔ یہ آیت ایک نہایت لطیف طریقے سے مشرکین قریش کے جرم کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ یہ ظالم ابراہیم و اسماعیل کے وارث ہونے پر فخر تو کرتے ہیں مگر وراثت کا حق ادا کرنے کے بجائے اُلٹا اس حق کو پامال کر رہے ہیں۔ لہٰذا جو وعدہ ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا اس سے جس طرح بنی اسرائیل مستثنیٰ ہو گئے ہیں اسی طرح یہ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

[126] حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب منصب امامت کے متعلق پوچھا تھا تو ارشاد ہوا تھا کہ اس منصب کا (باقی صفحہ ۱۵۵ پر)

اور یہ کہ ابراہیم اور اسماعیل جب اس گھر کی دیواریں اُٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے مالک! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، تو سب کی سننے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے ہمارے آقا! ہم دونوں کو اپنا مسلم (مطیعِ فرمان) بنا، ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو، ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا، اور ہماری کوتاہیوں سے درگذر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول اُٹھائیو جو انھیں تیری آیات سُنائے، ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے، اور ان کی زندگیاں سنوارے[لہ]، تو بڑا مقتدر اور حکیم ہے"۔ ع۱۵

اب وہ کون ہوگا جو ابراہیم کے طریقے سے نفرت کرے؟ جس نے خود اپنے آپ کو حماقت و جہالت میں مبتلا کر لیا ہو اس کے سوا اور کون یہ حرکت کر سکتا ہے! ابراہیم تو وہ شخص ہے جس کو ہم نے دنیا میں خاص اپنی خدمت کے لیے چُن لیا تھا اور آخرت میں اس کا شمار صالحین میں ہوگا۔ اس کا حال یہ تھا کہ جب اُس کے رب نے اُس سے کہا "مسلم[۲] ہو جا" تو اُس نے فوراً کہا "میں مالکِ کائنات کا مسلم ہو گیا"۔ اسی طریقہ پر چلنے کی ہدایت اُس نے اپنی اولاد کو کی تھی اور اسی کی وصیت یعقوب[ؑ] اپنی اولاد کو کر گیا۔

(بقیہ صفحہ ۱۵۴) وعدہ تمھاری اولاد کے صرف مومن و صالح لوگوں کے لیے ہے، ظالم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس لیے انھوں نے جب رزق کے لیے دعا کی تو سابق فرمان کو پیش نظر رکھ کر صرف اپنی مومن اولاد ہی کے لیے دعا کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جواب میں اس غلط فہمی کو فوراً رفع فرما دیا اور انھیں بتایا کہ امامت صالحہ اور چیز ہے اور رزقِ دُنیا دوسری چیز۔ امامت صالحہ صرف مومنین صالحین کو ملے گی، مگر رزقِ دنیا مومن و کافر سب کو دیا جائے گا۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) لہ زندگی سنوارنے میں خیالات، اخلاق، عادات، معاشرت، تمدن، سیاست، غرض ہر چیز کو سنوارنا شامل ہے۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل تزکیہ کا مفہوم بہت محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

۲ہ مسلم: وہ جو خدا کے آگے سرِ اطاعت خم کر دے، جو خدا کو اپنا واحد مالک، آقا، حاکم اور معبود تسلیم کرلے، اپنے آپ کو بالکلیہ خدا کے سپرد کر دے، اور اُس ہدایت کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرے جو خدا کی طرف سے آئی ہو۔ اس عقیدے (باقی صفحہ ۱۵۶ پر)

اس نے کہا تھا کہ "میرے بچو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند کیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا"

پھر کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا؟ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا "بچو! میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟" ان سب نے جواب دیا "ہم اسی ایک الٰہ[۱۳۳] کی عبادت کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگ ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق نے الٰہ مانا ہے، اور ہم اُسی کے مسلم ہیں"۔

یہ لوگ گذر گئے، جو کچھ انھوں نے کمایا وہ اُن کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے، تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے[۱۳۴]۔

یہودی کہتے ہیں یہودی ہو تو راہِ راست پاؤ گے۔ عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی۔ اے نبی! ان سے کہہ دو "ہم تو سب طریقوں کو چھوڑ کر ابراہیم کے طریقے کو لیتے ہیں، اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا"[۱۳۵]۔ مسلمانو! کہو کہ: "ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے اور جو ابراہیم،

(بقیہ صفحہ ۱۵۵) اور اس طرزِ عمل کا نام "اسلام" ہے اور یہی تمام انبیاء کا دین تھا جو ابتدائے آفرینش سے دُنیا کے مختلف ملکوں اور قوموں میں آئے ہیں۔

۱۳۲ حضرت یعقوب کا ذکر خاص طور پر اس لیے فرمایا کہ بنی اسرائیل براہِ راست انہی کی اولاد تھے۔

(حواشی صفحہ ہذا) ۱۳۳ الٰہ = معبود، مرکزِ پرستش، وہ جس سے دعائیں مانگی جائیں اور حاجتیں طلب کی جائیں، وہ جس کی پناہ ڈھونڈی جائے، وہ جسے نفع و نقصان کا مالک سمجھا جائے، وہ جو اپنے بالاتر اقتدار کی بنا پر اس کا مستحق ہو کہ انسان اس کی بندگی و اطاعت کرے اور اس کے آگے اپنا عجز و نیاز پیش کرے۔

۱۳۴ یعنی اگرچہ تم اُن کی اولاد ہی مگر حقیقت میں تمھیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ ان کا نام لینے کا تم کو کیا حق ہے جبکہ تم ان کے طریقہ سے پھر گئے؟ اللہ کے ہاں تم سے اُن کے اعمال نہ پوچھے جائیں گے کہ پدرم سلطان بود کہہ کر چھوٹ جاؤ، بلکہ تم سے خود تمھارے اعمال پوچھے جائیں گے ــــ اور یہ جو فرمایا کہ "جو کچھ انھوں نے کمایا وہ اُن کے لیے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمھارے لیے ہے"، تو یہ قرآن کا خاص اندازِ بیان ہے۔ ہم جس چیز کو فعل یا عمل کہتے ہیں، قرآن اپنی زبان میں (باقی صفحہ ۱۵ پر)

اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو اُن کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم اُن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے[۱۱۹]، اور ہم اللہ

(حواشی صفحہ ۱۵۶) اسے کسب یا کمائی کہتا ہے۔ ہمارا ہر عمل اپنا ایک اچھا یا برا نتیجہ رکھتا ہے جو خدا کی خوشنودی یا ناراضی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ وہی نتیجہ ہماری کمائی ہے۔ اور چونکہ قرآن کی نگاہ میں اصل اہمیت اسی نتیجہ کی ہے اس لیے اکثر وہ ہمارے کاموں کو عمل و فعل کے الفاظ سے تعبیر کرنے کے بجائے "کسب" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔

۱۱۵ اس جواب میں دو باتیں آگئیں۔ ایک یہ کہ یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں۔ "یہودیت" اپنے اس نام اور اپنی مذہبی خصوصیات اور رسوم و قواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی اور "عیسائیت" جن عقائد اور مخصوص مذہبی تصورات کے مجموعہ کا نام ہے وہ تو حضرت مسیح کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ہیں۔ اب یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ اگر آدمی کے برسرِ ہدایت ہونے کا مدار یہودیت یا عیسائیت اختیار کرنے پر ہی ہے تو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء اور نیک لوگ جو ان مذہبوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے پیدا ہوئے تھے اور جن کو خود یہودی اور عیسائی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں، وہ آخر کس چیز سے ہدایت پاتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ "یہودیت" اور "عیسائیت" نہ تھی، لہٰذا یہ بات آپ سے آپ واضح ہو[illegible] کہ انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا مدار اُن مذہبی خصوصیات پر نہیں ہے جن کی وجہ سے یہ یہودی اور عیسائی وغیرہ مختلف فرقے بنے ہیں، بلکہ دراصل اس کا مدار اُس عالمگیر صراطِ مستقیم کے اختیار کرنے پر ہے جس سے ہر زمانے میں انسان ہدایت پاتے رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ خود یہود و نصاریٰ کی اپنی مقدس کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش، تقدیس، بندگی اور اطاعت کے قائل نہ تھے، اور اُن کا مشن ہی یہ تھا کہ خدائی کی صفات و خصوصیات میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ ٹھیرایا جائے، لہٰذا یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہودیت اور نصرانیت دونوں اُس راہِ راست سے منحرف ہو گئی ہیں جس پر حضرت ابراہیم چلتے تھے، کیونکہ ان دونوں میں شرک کی آمیزش ہو گئی ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱۱۹ پیغمبروں کے درمیان تفریق نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اُن کے درمیان اس لحاظ سے فرق نہ کیا جائے کہ فلاں حق پر تھا اور فلاں حق پر نہ تھا، یا یہ کہ ہم فلاں کو مانتے ہیں اور فلاں کو نہیں مانتے۔ ظاہر ہے کہ خدا کی طرف سے جتنے پیغمبر بھی آئے ہیں سب کے سب ایک ہی صداقت اور ایک ہی راہِ راست کی طرف بلانے آئے ہیں، لہٰذا جو شخص صحیح معنی میں حق پرست ہو اُس کے لیے تمام پیغمبروں کو برحق تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں۔ جو لوگ کسی پیغمبر کو مانتے اور کسی کا انکار کرتے ہیں (باقی صفحہ ۱۵۸ پر)

کے مسلم ہیں"۔

پھر اگر یہ لوگ اُسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پر ہیں، اور اگر اس سے مُنہ پھیریں تو کُھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں، لہٰذا اطمینان رکھو کہ اُن کے مقابلہ میں اللہ تمھاری حمایت کرے گا، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

کہو "اللہ کا رنگ اختیار کرو[۱] اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا، اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں"۔

اے نبی! ان سے کہو: "کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی؟[۲] ہمارے اعمال ہمارے لیے ہیں، تمھارے اعمال تمھارے لیے، اور ہم تو بس اللہ ہی کے

(بقیہ صفحہ ۱۵۷) وہ حقیقت میں اُس پیغمبر کے بھی پیرو نہیں ہیں جسے وہ مانتے ہیں، کیونکہ انھوں نے دراصل اُس عالمگیر صراطِ مستقیم کو نہیں پایا ہے جسے حضرت موسیٰ یا عیسیٰ یا کسی دوسرے پیغمبر نے پیش کیا تھا، بلکہ وہ محض باپ دادا کی تقلید میں ایک پیغمبر کو مان رہے ہیں۔ اُن کا اصل مذہب نسل پرستی کا تعصب اور آبا و اجداد کی اندھی تقلید ہے نہ کہ کسی پیغمبر کی پیروی۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) [۱] اس آیت کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ "ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا"۔ دوسرے یہ کہ "اللہ کا رنگ اختیار کرو"۔ مسیحیت کے ظہور سے پہلے یہودیوں کے ہاں یہ رسم تھی کہ جو شخص اُن کے مذہب میں داخل ہوتا اُسے غسل دیتے تھے اور اس غسل کے معنی اُن کے ہاں یہ تھے کہ گویا اس کے گناہ دھل گئے اور اس نے زندگی کا ایک نیا رنگ اختیار کر لیا۔ یہی چیز بعد میں مسیحیوں نے اختیار کی جس کا اصطلاحی نام ان کے ہاں اصطباغ (بپتسمہ) ہے، اور یہ اصطباغ نہ صرف اُن لوگوں کو دیا جاتا ہے جو اُن کے مذہب میں داخل ہوتے ہیں بلکہ بچوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اسی کے متعلق قرآن کہتا ہے کہ اس رسمی اصطباغ میں کیا رکھا ہے۔ اللہ کا رنگ اختیار کرو جو کسی پانی سے نہیں چڑھتا بلکہ اس کی بندگی کا طریقہ اختیار کرنے سے چڑھتا ہے۔

[۲] یعنی ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ اللہ ہی ہم سب کا رب ہے اور اسی کی فرمانبرداری ہونی چاہیے۔ کیا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے کہ اس پر تم ہم سے جھگڑا کرو؟

لیے اپنی بندگی کو خالص کر دینے والے لوگ ہیں ؎۱۔ یا پھر کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولادِ یعقوب سب کے سب یہودی تھے، یا نصرانی تھے؟ کہو، تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ ؎۲ اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمّہ اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اُسے چھپائے؟ تمہاری حرکات سے اللہ غافل تو نہیں ہے ؎۳ ۔۔۔ وہ کچھ لوگ تھے جو گزر چکے، اُن کی کمائی اُن کے لیے تھی اور تمہاری کمائی تمہارے لیے، تم سے اُن کے اعمال کے متعلق سوال نہیں ہوگا! ع ۱۶

نادان لوگ ضرور کہیں گے: انہیں کیا ہوا کہ پہلے یہ جس قبلے ؎۴ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اُس سے

؎۱ یعنی تم اپنے اعمال کے ذمہ دار ہو اور ہم اپنے اعمال کے۔ تم نے اگر اپنی بندگی کو تقسیم کر رکھا ہے اور اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی الٰہیت و ربوبیت کی صفات میں شریک ٹھیرا کر ان کی پرستش اور اطاعت بجا لاتے ہو تو تمہیں ایسا کرنے کا اختیار ہے، اس کا انجام خود دیکھ لو گے، مگر ہم نے تو اپنی بندگی، اطاعت اور پرستش کو بالکل اللہ ہی کے لیے خالص کر دیا ہے۔

؎۲ یہ خطاب یہود و نصاریٰ کے اُن جاہل عوام سے ہے جو واقعی اپنے نزدیک یہ سمجھتے تھے کہ یہ جلیل القدر انبیاء سب کے سب یہودی یا عیسائی تھے۔

؎۳ یہ خطاب اُن کے علماء سے ہے جو خود بھی اس حقیقت سے ناواقف نہ تھے کہ یہودیت اور عیسائیت اپنی موجودہ خصوصیات کے ساتھ بہت بعد میں پیدا ہوئی ہیں، مگر اس کے باوجود حق کو اپنے فرقوں ہی میں محدود سمجھتے تھے اور عوام کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھتے تھے کہ انبیاء کے مدتوں بعد جو عقیدے، جو طریقے، اور جو اجتہادی ضابطے اور قاعدے ان کے فقہاء، صوفیہ اور متکلمین نے وضع کیے انہی کی پیروی پر انسان کی فلاح اور نجات کا مدار ہے۔ ان علماء سے جب پوچھا جاتا تھا کہ اگر یہی بات ہے تو حضرت ابراہیم، اسحاق، یعقوب وغیرہ انبیاء علیہم السلام آخر تمہارے ان فرقوں میں سے کس سے تعلق رکھتے تھے، تو وہ اس کا جواب دینے سے گریز کرتے تھے کیونکہ ان کا علم انہیں یہ کہنے کی تو اجازت نہ دیتا تھا کہ ان بزرگوں کا تعلق ہمارے ہی فرقہ سے تھا۔ لیکن اگر وہ صاف الفاظ میں یہ مان لیتے کہ یہ انبیاء نہ یہودی تھے نہ عیسائی تو پھر ان کی حجت ہی ختم ہوئی جاتی تھی۔

؎۴ قبلہ: وہ چیز جو آدمی کے منہ کے سامنے ہو اور جس کی طرف وہ متوجہ ہو۔ اصطلاح میں قبلہ سے مراد وہ جہت ہے جس کی

(باقی صفحہ ۱۰۶ پر)

یکایک پھر گئے ؟ ؎ اے نبی ان سے کہو "مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔" ؎ اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "اُمتِ وَسَط" بنا دیا تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔ ؎

(بقیہ صفحہ سابق) طرف رُخ کرکے آدمی نماز پڑھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے بعد سولہ یا سترہ مہینہ تک بیت المقدس کی طرف رُخ کرکے نماز پڑھتے رہے، پھر کعبہ کی طرف مُنہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم آیا جیسا کہ آگے آتا ہے۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) ؎ یہ ان نادانوں کے اعتراض کا پہلا جواب ہے۔ ان لوگوں کے دماغ تنگ تھے، نظر محدود تھی، سمت اور مقام کے بندے بنے ہوئے تھے، ان کا گمان یہ تھا کہ خدا کسی خاص سمت میں مقید ہے۔ اس لیے سب سے پہلے ان کے جاہلانہ اعتراض کی تردید میں یہی فرمایا گیا کہ مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں، کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ اُسی طرف ہے، جن لوگوں کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے وہ اس قسم کی تنگ نظریوں سے بالاتر ہوتے ہیں اور ان کے لیے عالمگیر حقیقتوں کے ادراک کی راہ کُھل جاتی ہے۔

؎ یہ اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت کا اعلان ہے۔ "اسی طرح" کا اشارہ دونوں طرف ہے، اللہ کی اُس رہنمائی کی طرف بھی جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کرنے والوں کو سیدھی راہ معلوم ہوئی اور وہ ترقی کرتے کرتے اِس مرتبہ پر پہنچے کہ "امتِ وَسَط" قرار دیے گئے۔ اور تحویلِ قبلہ کی طرف بھی کہ نادان اسے محض ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف پھرنا سمجھ رہے ہیں حالانکہ دراصل بیت المقدس سے کعبہ کی طرف سمتِ قبلہ کا پھرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کو دنیا کی پیشوائی کے منصب سے باضابطہ معزول کرکے اُمتِ محمدیہ کو اس پر فائز کر دیا۔

"امتِ وَسَط" کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا بہترین گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو اور دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہوتا ہے اور ناحق ناروا تعلق کسی سے نہیں ہوتا۔

پھر یہ جو فرمایا کہ تمہیں "اُمتِ وَسَط" اس لیے بنایا گیا ہے کہ "تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو" تو اس سے مراد یہ ہے کہ آخرت میں جب پوری نوعِ انسانی کا اکٹھا حساب لیا جائے گا اس وقت رسول ہمارے (باقی صفحہ آئندہ پر)

پہلے جس طرف تم رُخ کرتے تھے اس کو تو ہم نے صرف یہ معلوم کرنے کے لیے قبلہ مقرر کیا تھا کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹا پھر جاتا ہے[۵۳]۔ سچ یہ ہے کہ یہ معاملہ بڑا سخت تھا مگر اُن لوگوں کے لیے

(حاشیہ صفحہ سابق) ذمہ دار نمائندے کی حیثیت سے تم پر گواہی دے گا کہ فکرِ صحیح اور عملِ صالح اور نظامِ عدل کی جو تعلیم ہم نے اُسے دی تھی وہ اُس نے تم کو بے کم و کاست پوری کی پوری نہ صرف پہنچا دی بلکہ عملاً اس کے مطابق کام کر کے دکھا دیا۔ اس کے بعد رسول کے قائم مقام ہونے کی حیثیت سے تم کو عام انسانوں پر گواہ کی حیثیت سے اُٹھنا ہو گا اور یہ شہادت دینی ہو گی کہ رسول نے جو کچھ تمہیں پہنچایا تھا وہ تم نے انھیں پہنچانے میں، اور جو کچھ رسول نے تمہیں دکھایا تھا وہ تم نے انھیں دکھانے میں اپنی حد تک کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اس طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے، اور اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسول اس اُمت کے لیے خدا ترسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنا اسی طرح اس اُمت کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا چاہیے حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور برتاؤ ہر چیز کو دیکھ کر دُنیا کو معلوم ہو کہ خدا ترسی اس کا نام ہے، راست روی یہ ہے، عدالت اس کو کہتے ہیں، اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔ پھر اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ جس طرح خدا کی ہدایت ہم تک پہنچانے کے لیے رسول کی ذمہ داری بڑی سخت تھی، حتیٰ کہ اگر وہ اس میں ذرا سی کوتاہی بھی کرتے تو خدا کے ہاں ماخوذ ہوتے، اسی طرح دنیا کے عام انسانوں تک اس ہدایت کو پہنچانے کی نہایت سخت ذمہ داری ہم پر عائد ہوتی ہے، حتیٰ کہ اگر ہم خدا کی عدالت میں واقعی اس بات کی شہادت نہ دے سکے کہ ہم نے تیری ہدایت جو تیرے رسول کے ذریعہ سے ہمیں پہنچی تھی تیرے بندوں تک پہنچا دینے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے تو ہم بہت بُری طرح پکڑے جائیں گے، یہی امامت کا فخر ہمیں وہاں لے ڈوبے گا، ہماری امامت کے دور میں ہماری واقعی کوتاہیوں کے سبب سے خیال اور عمل کی جتنی گمراہیاں دنیا میں پھیلی ہیں اور جتنے فساد اور فتنے خدا کی زمین میں برپا ہوئے ہیں، اُن سب کے لیے ائمۂ شر اور شیاطینِ انس و جن کے ساتھ ساتھ ہم بھی ماخوذ ہوں گے اور ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دُنیا میں معصیت، ظلم اور گمراہی کا یہ طوفان برپا تھا تو تم کہاں مر گئے تھے؟

۵۳ یعنی یہ بات کھل جائے کہ جاہلیت کے تعصبات اور خاک و خون کی غلامی میں کون لوگ مبتلا ہیں اور کون اِن بندشوں سے آزاد ہو کر حقائق کا صحیح ادراک کرتے ہیں۔ ایک طرف اہلِ عرب اپنے وطنی و نسلی فخر میں مبتلا تھے (باقی صفحۂ آئندہ پر)

آسان ہو گیا جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے۔ اللہ تمہارے اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا،
یقین جانو کہ وہ تم لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم ہے۔
یہ تمہارے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں۔ لو، ہم اُسی قبلہ کی طرف تمہیں پھیرے
دیتے ہیں جسے تم پسند کرتے ہو۔[۱] مسجد حرام[۲] کی طرف رُخ پھیر دو، اب جہاں کہیں تم ہو اسی کی طرف منہ
کرکے نماز پڑھا کرو۔[۳]
اور یہ لوگ جنھیں کتاب دی گئی تھی، یہ خوب جانتے ہیں کہ قبلہ بدلنے کا حکم اُن کے رب کی طرف سے

(بقیہ صفحہ سابق) اور عرب کے کعبہ کو چھوڑ کر باہر کے بیت المقدس کو قبلہ بنانا ان کی اس قوم پرستی کے بُت پر ناقابلِ برداشت ضرب تھا۔ دوسری طرف بنی اسرائیل اپنی نسل پرستی کے غرور میں پھنسے ہوئے تھے اور اپنے آبائی قبلہ کے سوا کسی دوسرے قبلہ کو برداشت کرنا اُن کے لیے محال تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ بُت جن لوگوں کے دلوں میں بسے ہوئے ہوں وہ اُس راستے پر کسی طرح نہ چل سکتے تھے جس کی طرف اللہ کا رسول انھیں بلا رہا تھا۔ اس لیے اللہ نے ان بُت پرستوں کو سچے حق پرستوں سے الگ چھانٹ دینے کے لیے پہلے وہ قبلہ مقرر کیا تاکہ جو لوگ عربیت کے بُت کی پرستش کرتے ہیں وہ الگ ہو جائیں، پھر اُس قبلے کو چھوڑ کر یہ قبلہ بنایا تاکہ جو اسرائیلیت کے پرستار ہیں وہ بھی الگ ہو جائیں، اور صرف وہ لوگ رسول کے ساتھ رہ جائیں جو کسی بُت کے پرستار نہیں، محض خدا کے پرستار ہیں۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) [۱] نبی صلی اللہ علیہ وسلم تحویل قبلہ کا حکم آنے سے پہلے خود یہ محسوس فرما رہے تھے کہ بنی اسرائیل کی امامت کا دَور اور بیت المقدس کی مرکزیت کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اور اب کہ اسلام کی دعوت کا عَلم بلند کرنے کے لیے آلِ یعقوب کے بجائے آلِ اسمٰعیل میں نبی مبعوث کیا گیا ہے تو اس دعوت کے لیے بیت المقدس کے بجائے کعبہ ہی موزوں مرکز ہو سکتا ہے۔ اس لیے آپ نہایت بےچینی کے ساتھ تحویل قبلہ کے حکم کا انتظار فرما رہے تھے۔ اسی معاملہ کی طرف یہ آیت اشارہ کر رہی ہے۔

[۲] حرمت اور عزت والی مسجد۔ اس سے مراد وہ عبادت گاہ ہے جس کے وسط میں خانۂ کعبہ واقع ہے۔

[۳] اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آدمی خواہ دنیا کے کسی کونے میں ہو، اُسے بالکل ناک کی سیدھ میں کعبہ کی طرف رُخ کرنا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ہر وقت ہر شخص کے لیے ہر جگہ مشکل ہے۔ اسی لیے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

بالکل بجا ہے، مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ تم ان کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے لگیں۔ اور نہ تمہارے لیے یہ ممکن ہے کہ ان کے قبلہ کی پیروی کرو، کیونکہ ان میں سے کوئی گروہ دوسرے کے قبلہ کی پیروی کے لیے تیار نہیں ہے۔ پھر اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔[۲] جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس قبلہ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں،[۳] مگر ان میں سے ایک گروہ جانتے بوجھتے حق کو چھپا رہا ہے۔ یہ قطعی ایک امر حق ہے تمہارے

(حاشیہ صفحہ سابق) نہ کہ کعبہ کی سیدھ میں۔ قرآن کی رو سے ہم اس بات کے لیے ضرور مکلف ہیں کہ حتی الامکان صحیح سمت کعبہ کی تحقیق کریں مگر اس بات پر مکلف نہیں ہیں کہ ضرور بالکل ہی صحیح سمت معلوم کریں۔ جس سمت کے متعلق ہمیں امکانی تحقیق سے ظن غالب حاصل ہو جائے کہ یہ سمت کعبہ ہے، اُدھر نماز پڑھنا یقیناً صحیح ہے اور اگر کہیں آدمی کے لیے سمت قبلہ کی تحقیق مشکل ہو یا وہ کسی ایسی حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف اپنی سمت قائم نہ رکھ سکتا ہو (مثلاً ریل یا کشتی میں)، تو جس طرف اسے قبلے کا گمان ہو یا جس طرف رُخ کرنا اس کے لیے ممکن ہو اسی طرف وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ البتہ اگر دورانِ نماز میں صحیح سمت قبلہ معلوم ہو جائے یا صحیح سمت کی طرف نماز پڑھنا ممکن ہو جائے تو نماز کی حالت ہی میں اُس طرف پھر جانا چاہیے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] مطلب یہ ہے کہ قبلہ کے متعلق جو حجت و بحث یہ لوگ کرتے ہیں اس کا فیصلہ نہ تو اسی طرح ہو سکتا ہے کہ دلیل سے انہیں مطمئن کر دیا جائے، کیونکہ یہ تعصب اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں اور کسی دلیل سے بھی اُس قبلہ کو چھوڑ نہیں سکتے جسے یہ اپنے گروہ بندی کے تعصبات کی بنا پر پکڑے ہوئے ہیں۔ اور نہ اس کا فیصلہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم ان کے قبلہ کو اختیار کر لو، کیونکہ ان کا کوئی ایک قبلہ نہیں ہے جس پر یہ سارے گروہ متفق ہوں اور اُسے اختیار کر لینے سے قبلہ کا جھگڑا چکا جائے، مختلف گروہوں کے مختلف قبلے ہیں، ایک کا قبلہ اختیار کر کے بس ایک ہی گروہ کو راضی کر سکو گے، دوسروں کا جھگڑا بدستور باقی رہے گا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ پیغمبر کی حیثیت سے تمہارا یہ کام ہی نہیں ہے کہ تم لوگوں کو راضی کرتے پھرا کرو اور ان سے لین دین کے اصول پر مصالحت کیا کرو، بلکہ تمہارا کام یہ ہے کہ جو علم ہم نے تمہیں دیا ہے سب سے بے پروا ہو کر صرف اسی پر سختی کے ساتھ قائم ہو جاؤ۔ اس سے ہٹ کر کسی کو راضی کرنے کی فکر کرو گے تو اپنے پیغمبری کے منصب پر ظلم کرو گے اور اُس نعمت کی ناشکری کرو گے جو دنیا کا امام بنا کر ہم نے تمہیں بخشی ہے۔

[۳] یہ عرب کا محاورہ ہے جس چیز کو آدمی یقینی طور پر جانتا ہو اور اس کے متعلق کسی قسم کا شک و اشتباہ (باقی صفحہ ۱۶۴ پر)

رب کی طرف سے ہے لہٰذا اس کے متعلق تم ہرگز کسی شک میں نہ پڑو۔ ع ۱۷

ہر ایک کے لیے ایک رُخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے، تم بھلائیوں کا رُخ لو اور انہی میں دوسروں سے بازی لیجانے کی کوشش کرو۔ جہاں بھی تم ہو گے اللہ تمھیں پالے گا، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تمھارا گذر جس مقام سے بھی ہو وہیں سے اپنا رُخ نماز کے وقت مسجد حرام کی طرف پھیر دو کیونکہ یہ تمھارے رب کا بالکل برحق فیصلہ ہے اور اللہ تم لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ اور جہاں سے بھی تمھارا گذر ہو اپنا رُخ مسجدِ حرام ہی کی طرف پھیرو اور جہاں بھی تم ہو اُسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو تاکہ لوگوں کو تمھارے خلاف کوئی حجت نہ ملے[۱]۔ ہاں جو ظالم ہیں اُن کی زبان کسی حال میں بند نہ ہو گی، تو اُن سے تم نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو۔ اور اس لیے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں[۲] اور اِس توقع پر[۳] کہ میرے اس حکم کی پیروی سے تم اسی طرح فلاح کا راستہ پاؤ گے جس طرح میں نے تمھارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول

(بقیہ صفحہ ۱۶۱) نہ دیکھتا ہو اُسے یوں کہتے ہیں کہ وہ اس چیز کو ایسا پہچانتا ہے جیسا اپنی اولاد کو پہچانتا ہے یعنی جس طرح اسے اپنے بچوں کو پہچاننے میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اسی طرح وہ بلا کسی شک کے یقینی طور پر یہ بات جانتا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے علما حقیقت میں یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ بیت المقدس سے صدیوں پہلے جو گھر اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر ہوا تھا اور جسے حضرت ابراہیم کے زمانہ میں قبلۂ اہلِ حق بنایا گیا تھا وہ یہی کعبہ تھا۔ اس تاریخی واقعہ میں اُن کے لیے ذرہ برابر کسی اشتباہ کی گنجائش نہ تھی۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] یعنی ہمارے اِس حکم کی پوری پابندی کرو، کبھی ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی شخص مقررہ سمت کے سوا کسی دوسری سمت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا جائے تاکہ کسی کو تم پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملے کہ کیا خوب اُمت وسط ہے، کیسے اچھے حق پرستی کے گواہ بنے ہیں جو یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہ حکم ہمارے رب کی طرف سے آیا ہے اور پھر اس کی خلاف ورزی بھی کیے جاتے ہیں۔

[۲] نعمت سے مراد وہی امامت و پیشوائی کی نعمت ہے جو بنی اسرائیل سے سلب کر کے اس اُمت کو دی گئی۔ دنیا میں ایک اُمت کی راست روی کا یہ انتہائی ثمرہ ہے کہ وہ اللہ کے امرِ شرعی سے اقوامِ عالم کی رہنما و پیشوا بنائی جائے اور نوعِ انسانی کو خدا پرستی اور نیکی کے راستے پر چلانے کی خدمت اس کے سپرد کی جائے۔ یہ منصب جس اُمت کو دیا گیا حقیقت میں اُس پر اللہ کے فضل و انعام کی تکمیل ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ یہاں یہ فرما رہا ہے کہ تحویلِ قبلہ کا یہ حکم دراصل اس منصب پر تمھاری (باقی صفحہ ۹۵ پر)

بھیجا اور وہ تمھیں میری آیات سناتا ہے، تمھاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے۔ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو، میں تمھیں یاد رکھوں گا، اور میرا شکر ادا کرو، کفرانِ نعمت نہ کرو۔ ع ۱۸

اے ایمان لانے والو! صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں انھیں مُردہ نہ کہو، ایسے لوگ تو حقیقت میں زندہ ہیں مگر تمھیں اُن کی زندگی کا شعور نہیں ہوتا۔ اور ہم ضرور ہی تمھیں خوف و خطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلا کر کے تمھاری آزمائش کریں گے، اِن حالات میں جو لوگ صبر کریں اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے، انھیں خوشخبری دیدو، اُن پر اُن کے رب کی طرف سے[۱۵۸] بڑی عنایات ہوں گی اور اُس کی رحمت اُن پر سایہ کرے گی، اور ایسے ہی لوگ راست رَو ہیں[۱۵۹]۔

یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، لہٰذا جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی گناہ کی بات نہیں کہ وہ ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان سعی کر لے[۱۶۰]، اور جو برضا و رغبت کوئی بھلائی کا

(بقیہ صفحہ ۱۶۴) سرفرازی کا نشان ہے، لہٰذا تمھیں اس لیے بھی اس حکم کی پیروی کرنی چاہیے کہ ناشکری و نافرمانی کرنے سے کہیں یہ منصب تم سے چھین نہ لیا جائے۔ اس کی پیروی کروگے تو یہ نعمت تم پر مکمل کر دی جائے گی۔

۱۵۷ یعنی اس حکم کی پیروی کرتے ہوئے یہ امید رکھو — یہ شاہانہ اندازِ بیان ہے، بادشاہ کا اپنی شانِ بے نیازی کے ساتھ کسی نوکر سے یہ کہہ دینا کہ فلاں عنایت و مہربانی کی اُمید رکھو، اس بات کے لیے بالکل کافی ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر خوشی کے شادیانے بجوا دے اور اُسے مبارک بادیاں دی جانے لگیں۔

(حواشی صفحہ ہذا) ۱۵۸ منصبِ امامت پر مامور کرنے کے بعد اب اُمّت کو ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں، مگر تمام دوسری باتوں سے پہلے انھیں جس بات پر متنبہ کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ کوئی پھولوں کا بستر نہیں ہے جس پر تم لٹائے جا رہے ہو، بلکہ اس عظیم الشان خدمت کا بار اُٹھانے کے ساتھ ہی تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصان اُٹھانے پڑیں گے، اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا (باقی صفحہ ۱۶۶)

کام کرے گا؎ اللہ کو اس کا علم ہے اور وہ اس کی قدر کرنے والا ہے۔

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں درآں حالے کہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں، یقین جانو ان پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی اُن پر لعنت بھیجتے ہیں؎۔ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں اُن کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگذر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔

(بقیہ صفحہ ۱۶۵) مقابلہ کرتے ہوئے خدا کی راہ میں بڑھے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارش ہو گی۔

؎ صفا اور مروہ مسجدِ حرام کے قریب دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان دوڑنا منجملہ اُن مناسک کے تھا جو اللہ تعالیٰ نے حج کے لیے حضرت ابراہیم کو سکھائے تھے۔ بعد میں جب مکہ اور آس پاس کے تمام علاقوں میں مشرکانہ جاہلیت پھیل گئی تو صفا پر "اساف" اور مروہ پر "نائلہ" کے استھان بنا لیے گئے اور اُن کے گرد طواف ہونے لگا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اسلام کی روشنی اہلِ عرب تک پہنچی تو مسلمانوں کے دلوں میں یہ سوال کھٹکنے لگا کہ آیا صفا اور مروہ کی سعی حج کے اصلی مناسک میں سے ہے یا محض زمانۂ شرک کی ایجاد ہے؟ اور یہ کہ اس سعی سے کہیں ہم ایک مشرکانہ فعل کے مرتکب تو نہیں ہو جائیں گے؟ لہٰذا کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے کے بعد ضروری احکام و ہدایات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی غلط فہمی کو دور فرمایا اور مسلمانوں کو بتایا کہ یہ فعل حج کے اُن مناسک میں سے ہے جو اللہ نے مقرر فرمائے تھے اور اس فعل کے کرنے سے تمہیں ہرگز یہ خوف نہ کرنا چاہیے کہ کسی گناہ کے مرتکب ہو گے۔

(حاشی صفحۂ ہذا) ؎۱ یعنی بہتر تو یہ ہے کہ یہ کام دلی رغبت کے ساتھ کرو، ورنہ حکم بجالانے کے لیے تو کرنا ہی ہوگا۔

؎۲ علمائے یہود کا سب سے بڑا قصور یہ تھا کہ انھوں نے کتاب اللہ کا علم پھیلانے کے بجائے ربیوں اور مذہبی پیشہ وروں کے ایک محدود طبقے تک ہی محدود رکھا اور عامۂ خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو علم کتاب کی ہوا نہ لگنے دی۔ پھر جب عام جہالت کی وجہ سے گمراہیاں پھیلیں تو ان کے علماء نے نہ صرف یہ کہ اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی بلکہ عوام میں اپنی مقبولیت برقرار رکھنے کے لیے ان ضلالتوں کو اپنے قول و عمل یا اپنے سکوت سے الٹی سندِ جواز عطا کرنے لگے۔ اسی سے بچنے کی تاکید مسلمانوں کو کی جارہی ہے۔ دنیا کی ہدایت کا کام جس اُمت کے سپرد کیا جائے اس کا فرض اس ہدایت کو زیادہ سے زیادہ پھیلانا ہے نہ کہ بخیل کے مال کی طرح چھپا کر رکھنا۔

جن لوگوں نے کفر کا رویّہ[1] اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں جان دی ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ اسی لعنت زدگی کی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے، نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انھیں پھر کوئی دوسری مہلت دی جائے گی۔

تمہارا الٰہ ایک ہی الٰہ ہے، اُس رحمٰن اور رحیم کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے۔ (اس حقیقت کو پہچاننے کیلئے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ع ۱۵
ہے تو) جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے
کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی
پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اُس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشتا ہے
اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں
اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابعِ فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں۔

[1] "کفر" کے اصلی معنی چھپانے کے ہیں۔ اسی سے انکار کا مفہوم پیدا ہوا اور یہ لفظ ایمان کے مقابلہ میں بولا جانے لگا۔ ایمان کے معنی ہیں ماننا، قبول کرنا، تسلیم کرنا۔ اس کے برعکس کفر کے معنی ہیں نہ ماننا، رد کر دینا، انکار کرنا۔ قرآن کی رو سے کفر کے رویہ کی مختلف صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ انسان سرے سے اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ ہی کو تسلیم نہ کرے اور اس کو اپنا اور ساری کائنات کا الٰہ اور رب ماننے سے انکار کر دے، یا اُسے واحد الٰہ اور رب نہ مانے۔

دوسرے یہ کہ اللہ کو تو مانے مگر اُس کے احکام اور اس کی ہدایات کو واحد منبعِ علم و قانون تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔

تیسرے یہ کہ اصولاً اس بات کو بھی تسلیم کر لے کہ اسے اللہ کی ہدایت پر چلنا چاہیے، مگر اللہ اپنی ہدایات اور اپنے احکام پہنچانے کے لیے جن پیغمبروں کو واسطہ بناتا ہے، انھیں تسلیم نہ کرے۔

چوتھے یہ کہ پیغمبروں کے درمیان تفریق کرے، اور اپنی پسند یا اپنے تعصبات کی بنا پر اُن میں سے کسی کو مانے اور کسی کو نہ مانے۔

پانچویں یہ کہ پیغمبروں نے خدا کی طرف سے عقائد، اخلاق اور قوانینِ حیات کے متعلق جو تعلیمات بیان کی ہیں اُن کو

(باقی صفحہ ۱۶۸ پر)

بے شمار نشانیاں ہیں[۱۱]۔ مگر (وحدت الٰہ پر دلالت کرنے والے اِن کھلے کھلے آثار کے ہوتے ہوئے بھی) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں[۱۲] اور اُن کے

(بقیہ صفحہ ۱۶۷) یا ان میں سے کسی چیز کو قبول نہ کرے،

چھٹے یہ کہ نظری طور پر تو اِن سب چیزوں کو مان لے مگر عملاً احکام الٰہی کی دانستہ نافرمانی کرے اور اس نافرمانی پر اصرار کرتا رہے۔

یہ سب مختلف رویّے اللہ کے مقابلہ میں بغاوت کے رویّے ہیں اور ان میں سے ہر ایک رویّہ کو قرآن کفر سے تعبیر کرتا ہے۔ اور بعض مقامات پر قرآن میں کفر کا لفظ کفرانِ نعمت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جو شکر کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ شکر کے معنی یہ ہیں کہ نعمت جس نے دی ہے انسان اس کا احسانمند ہو، اس کے احسان کی قدر کرے، اس کی دی ہوئی نعمت کو اسی کی رضا کے مطابق استعمال کرے، اور اس کا دل اپنے محسن کے لیے وفاداری کے جذبہ سے لبریز ہو۔ اس کے مقابلہ میں کفر یا کفرانِ نعمت یہ ہے کہ آدمی یا تو اپنے محسن کا احسان ہی نہ مانے اور اسے اپنی قابلیت یا کسی غیر کی عنایت یا سفارش کا نتیجہ سمجھے، یا اس کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری کرے اور اُسے ضائع کر دے، یا اس کی نعمت کو اس کی رضا کے خلاف استعمال کرے، یا اس کے احسانات کے باوجود اس کے ساتھ غدر اور بے وفائی کرے۔ اس نوع کے کفر کو ہماری زبان میں بالعموم احسان فراموشی، نمک حرامی، غداری اور ناشکرے پن کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱۱] یعنی اگر انسان کائنات کے اس کارخانے کو جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے اور ضد یا تعصب سے آزاد ہو کر سوچے تو یہ آثار جو اس کے مشاہدے میں آ رہے ہیں اُسے اس نتیجہ پر پہنچانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادرِ مطلق حکیم کے زیرِ فرمان ہے، تمام اختیار و اقتدار بالکل اسی ایک کے ہاتھ میں ہے، کسی دوسرے کی خود مختارانہ مداخلت یا مشارکت کے لیے اس نظام میں ذرہ برابر کوئی گنجائش نہیں، لہٰذا فی الحقیقت وہی ایک خدا تمام موجوداتِ عالم کا اِلٰہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسری ہستی کسی قسم کے اختیارات رکھتی ہی نہیں کہ الوہیت میں اس کا کوئی حصہ ہو۔

[۱۲] یعنی جو صفات اللہ کے لیے خاص ہیں اُن میں سے بعض کو اُن کی طرف منسوب کرتے ہیں، اور جو حقوق اللہ کے ہیں اُن میں سے بعض یا تمام حقوق اُن کو دیتے ہیں۔ مثلاً سلسلۂ اسباب پر حکمرانی، حاجت روائی، مشکل کشائی، فریادرسی،

(باقی صفحہ ۱۶۹ پر)

ایسے گرویدہ ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے ــــ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں[۱] ــــ کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر سوجھنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں، اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بے تعلقی ظاہر کریں گے، مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا، اور وہ لوگ جو دنیا میں اُن کی پیروی کرتے تھے، کہیں گے کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری

(بقیہ صفحہ ۱۶۸) دعائیں سننا اور غیب و شہادت ہر چیز سے واقف ہونا یہ سب اللہ کی مخصوص صفات ہیں اور یہ صرف اللہ ہی کا حق ہے کہ بندے اسی کو مقتدرِ اعلیٰ مانیں، اُسی کے آگے اعترافِ بندگی میں سر جھکائیں، اُسی کی طرف اپنی حاجتوں میں رجوع کریں، اُسی کو مدد کے لیے پکاریں، اسی پر بھروسہ کریں، اُسی سے امیدیں وابستہ کریں اور اُسی سے ظاہر و باطن میں ڈریں۔ اسی طرح مالک الملک ہونے کی حیثیت سے یہ بات بھی اللہ ہی کے لیے خاص ہے کہ اپنی رعیت کے لیے حرام و حلال کے حدود مقرر کرے، ان کے فرائض اور حقوق معین کرے، ان کو امر و نہی کے احکام دے، اور انھیں یہ بتائے کہ اس کی دی ہوئی قوتوں اور اس کے بخشے ہوئے وسائل کو وہ کس طرح کن کاموں میں کن مقاصد کے لیے استعمال کریں۔ اور یہ صرف اللہ کا حق ہے کہ بندے اس کی حاکمیت تسلیم کریں، اس کو منبعِ قانون مانیں، اس کو امر و نہی کا مختار سمجھیں، اپنی زندگی کے معاملات میں اس کے حکم کو فیصلہ کُن قرار دیں، اور ہدایت و رہنمائی کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ جو شخص ان صفات میں سے کسی صفت کو بھی کسی دوسرے کی طرف منسوب کرتا ہے، اور ان حقوق میں سے کوئی ایک حق بھی کسی دوسرے کو دیتا ہے وہ دراصل اسے اللہ کا مدِمقابل اور اس کا ہمسر بناتا ہے۔ اور اسی طرح جو شخص یا جو ادارہ ان صفات میں سے کسی صفت کا مدعی ہے اور ان حقوق میں سے کسی حق کا انسانوں سے مطالبہ کرتا ہے وہ دراصل خدا کا مدِمقابل اور ہمسر بنتا ہے خواہ زبان سے اس کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] یعنی ایمان کا اقتضا یہ ہے کہ آدمی کے لیے اللہ کی رضا ہر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو (باقی صفحہ ۱۷۰ پر)

ظاہر کررہے ہیں ہم ان سے بیزار ہو کر دکھا دیتے؎۱۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کررہے ہیں اِن کے سامنے اِس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔ ع ۲۰

لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انھیں کھاؤ؎۲ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو وہ تو تمھارا کھلا دشمن ہے، تمھیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمھیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ نے فرمائی ہیں؎۳۔

اِن سے جب کہو کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں اُن کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اُسی طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؎۴۔ اچھا اگر ان کے باپ دادا نے عقل سے کچھ بھی کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو تو کیا پھر بھی یہ انھی کی پیروی کیے چلے جائیں گے؟ یہ لوگ جنھوں نے خدا کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنے سے انکار کردیا ہے اِن کی حالت بالکل ایسی ہے جیسے چرواہا

(بقیہ صفحہ ۱۶۹) اور کسی چیز کی محبت بھی انسان کے دل میں یہ مرتبہ اور مقام حاصل نہ کرے کہ وہ اللہ کی محبت پر اُسے قربان کرسکتا ہو۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) ؎۱ یہاں خاص طور پر گمراہ کرنے والے پیشواؤں اور لیڈروں اور اُن کے نادان پیروؤں کے انجام کا اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ جس غلطی میں مبتلا ہو کر پچھلی اُمتیں بھٹک گئیں اس سے مسلمان ہشیار رہیں اور رہبروں میں تمیاز کرنا سیکھیں اور غلط رہبری کرنے والوں کے پیچھے چلنے سے بچیں۔

؎۲ یعنی کھانے اور پینے کے معاملہ میں جتنی پابندیاں توہمات اور جاہلانہ رسوم کی بنا پر لگ گئی ہیں اُن سب کو توڑ ڈالو۔

؎۳ یعنی اِن اوہام و رسوم اور حدود و قیود کے متعلق یہ کہنا کہ یہ سب مذہبی امور ہیں جو خدا کی طرف سے تعلیم کیے گئے ہیں، حالانکہ تمھارے پاس کوئی مستند ذریعہ یہ معلوم کرنے کا نہیں ہے کہ وہ واقعی خدا کی طرف سے ہیں، دراصل شیطانی اغوا کا کرشمہ ہے۔

؎۴ یعنی ان پابندیوں کے لیے اُن کے پاس کوئی سند اور کوئی حجت اس کے سوا نہیں ہے کہ باپ دادا سے یونہی ہوتا چلا آیا ہے، اور وہ احمق یہ سمجھتے ہیں کہ کسی طریقہ کی پیروی کے لیے یہ حجت بالکل کافی ہے۔

جانوروں کو پکارتا ہے اور وہ ہانک پکار کی صدا کے سوا کچھ نہیں سنتے[۱]۔ یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، ذرا عقل سے کام نہیں لیتے۔

اے ایمان لانے والو! اگر تم حقیقت میں اللہ ہی کی بندگی کرنے والے ہو تو جو پاک چیزیں ہم نے تمھیں بخشی ہیں انھیں بے تکلف کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو[۲]۔ اللہ کی طرف سے اگر کوئی پابندی تم پر ہے تو وہ یہ ہے[۳] کہ مردار نہ کھاؤ، خون سے اور سور کے گوشت سے پرہیز کرو، اور کوئی ایسی چیز نہ کھاؤ جس پر اللہ کے

---

[۱] اس تمثیل کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں کی حالت اُن بے عقل جانوروں کی سی ہے جن کے گلّے اپنے چرواہوں کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور بغیر سمجھے بوجھے اُن کی صداؤں پر حرکت کرتے ہیں۔ اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کو دعوت و تبلیغ کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا جانوروں کو پکارا جا رہا ہے جو فقط آواز سنتے ہیں مگر کچھ نہیں سمجھتے کہ کہنے والا اُن سے کیا کہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ ایسے جامع استعمال فرمائے ہیں کہ یہ دونوں پہلو اُن کے تحت آجاتے ہیں۔

[۲] یعنی اگر تم اللہ ہی کے فرمان کے پابند ہو چکے ہو تو پھر جاہلیت کے زمانہ کی تمام وہ پابندیاں جو پنڈتوں اور پروہتوں نے، ربیوں اور پادریوں نے، جوگیوں اور راہبوں نے اور تمھارے باپ دادا نے قائم کی تھیں انھیں توڑ ڈالو اور جن جن چیزوں کو اللہ نے حلال کیا ہے انھیں بغیر کسی کراہت اور رکاوٹ کے کھاؤ پیو۔ اسی مضمون کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث بھی اشارہ کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ من صلی صلوتنا واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا فذالک المسلم الخ یعنی جس نے وہی نماز پڑھی جو ہم پڑھتے ہیں اور اسی قبلہ کی طرف رخ کیا جس کی طرف ہم کرتے ہیں اور ہمارے ذبیحہ کو کھایا وہ مسلمان ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے اور قبلہ کی طرف رُخ کرنے کے باوجود ایک شخص اس وقت تک اسلام میں پوری طرح جذب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کھانے پینے کے معاملہ میں پچھلی جاہلیت کی پابندیوں کو توڑ نہ دے اور اُن توہمات کی بندشوں سے آزاد نہ ہو جائے جو اہل جاہلیت نے قائم کر رکھی تھیں کیونکہ اُس کا اُن پابندیوں پر قائم رہنا اس بات کی علامت ہے کہ ابھی تک اس کی رگ و پے میں جاہلیت کا زہر موجود ہے۔

[۳] اس آیت کا مقصد اُن حرام چیزوں کی فہرست بیان کرنا نہیں ہے جو شریعتِ الٰہی میں ممنوع ٹھیرائی گئی ہیں، بلکہ جاہلیت کے توہمات کی تردید مقصود ہے۔ یعنی اُن سے یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ تم نے اپنے مذہبی توہمات کی رو سے جن چیزوں کو ممنوع ٹھیرا رکھا ہے وہ اصل میں ممنوع نہیں ہیں بلکہ یہ ہیں۔

سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔[1] ہاں جو شخص مجبوری کی حالت میں ہو اور وہ ان میں سے کوئی چیز کھا لے بغیر اس کے کہ وہ قانون شکنی کا ارادہ رکھتا ہو یا ضرورت کی حد سے تجاوز کرے[2]، تو اس پر کچھ گناہ نہیں، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حق یہ ہے کہ جو لوگ اُن احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کیے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انھیں بھینٹ چڑھاتے ہیں، وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں[3]۔ قیامت کے روز اللہ ہرگز اُن سے بات نہ کرے گا اور نہ انھیں پاکیزہ ٹھیرائے گا،[4] بلکہ اُن کے لیے تو دردناک سزا

---

[1] اس کا اطلاق اس جانور کے گوشت پر بھی ہوتا ہے جسے خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور اُس کھانے پر بھی ہوتا ہے جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر بطور نذر کے پکایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جانور ہو یا غلہ یا اور کوئی کھانے کی چیز اُس کا مالک دراصل اللہ ہے اور اللہ ہی نے وہ ہم کو عطا کیا ہے، لہٰذا اعترافِ نعمت یا صدقہ یا نذر و نیاز کے طور پر اگر کسی کا نام ان چیزوں پر لیا جا سکتا ہے تو وہ صرف اللہ ہی کا نام ہے۔ اس کے سوا کسی دوسرے کا نام لینا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم خدا کے بجائے یا خدا کے ساتھ اس کی بالاتری بھی تسلیم کر رہے ہیں اور اسکو بھی منعم سمجھتے ہیں۔

[2] اس آیت میں حرام چیز کے استعمال کرنے کی اجازت تین شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ واقعی مجبوری کی حالت ہو، مثلاً بھوک یا پیاس سے جان پر بن گئی ہو، یا بیماری کی وجہ سے جان کا خطرہ ہو اور اس حالت میں حرام چیز کے سوا اور کوئی چیز میسر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ خدا کے قانون کو توڑنے کی خواہش دل میں موجود نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کیا جائے، مثلاً حرام چیز کے چند لقمے یا چند قطرے یا چند گھونٹ اگر جان بچا سکتے ہوں تو اُن سے زیادہ اس چیز کا استعمال نہ ہو۔

[3] مطلب یہ ہے کہ عام لوگوں میں یہ جتنے غلط توہمات پھیلے ہیں اور باطل رسموں اور بے جا پابندیوں کی جو نئی نئی شریعتیں بن گئی ہیں ان سب کی ذمہ داری اُن علماء پر ہے جن کے پاس کتابِ الٰہی کا علم تھا مگر انھوں نے عامۂ خلائق تک اس علم کو نہ پہنچایا اور جب لوگوں میں غلط طریقے رواج پانے لگے تو اس وقت بھی وہ ظالم منہ میں گھنگنیاں ڈالے بیٹھے رہے، بلکہ ان میں سے بہتوں نے خود اپنا فائدہ اس میں دیکھا کہ کتاب اللہ کے احکام پر (باقی صفحہ ۷۳ پر)

مقرر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لے لیا۔ کیسا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں! یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوا کہ اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلافات نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے۔

ع ۲۱

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف[۱]، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور یوم آخر اور ملائکہ اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے، اور اللہ کی محبت میں اپنے دل پسند مال کو رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر، اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے، نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کا وقت آئے یا حق و باطل کی جنگ ہو تو اس میں صبر کریں۔ یہ ہیں راستباز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۱۷۲) پردہ ہی پڑا رہے۔

[۱] یہ دراصل ان پیشواؤں کے جھوٹے دعووں کی تردید اور اُن غلط فہمیوں کا رد ہے جو انھوں نے عام لوگوں میں اپنے متعلق پھیلا رکھی ہیں۔ وہ ہر ممکن طریقہ سے لوگوں کے دلوں میں یہ خیال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگ بھی اُن کے متعلق ایسا ہی گمان رکھتے ہیں کہ اُن کی ہستیاں بڑی ہی پاکیزہ اور مقدس ہیں اور جو اُن کا دامن گرفتہ ہو جائیگا اُس کی سفارش کر کے وہ اللہ کے ہاں اسے بخشوا لیں گے۔ جواب میں اللہ فرماتا ہے کہ ہم انھیں ہرگز منہ نہ لگائیں گے اور نہ انھیں پاکیزہ قرار دیں گے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنے کو تو محض بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے، ورنہ دراصل مراد یہ ہے کہ مذہب کی چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا اور صرف ضابطہ کی خانہ پُری کے طور پر چند مقرر مذہبی اعمال انجام دے دینا، اور تقویٰ کی چند معروف شکلوں کا مظاہرہ کر دینا وہ حقیقی نیکی نہیں ہے جو اللہ کے ہاں وزن اور قدر رکھتی ہے۔

اے ایمان لانے والو! تمھارے لیے قتل کے مقدموں میں قصاص[1] کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو وہ غلام ہی قتل کیا جائے، اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے[2]۔ ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اُس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لیے تیار ہو[3] تو معروف[4] طریقہ کے مطابق خونبہا کا تصفیہ ہونا چاہیے اور

[1] قصاص = بدلہ۔ یہ کہ آدمی کے ساتھ وہی کیا جائے جو اُس نے دوسرے آدمی کے ساتھ کیا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قاتل نے جس طریقہ سے مقتول کو قتل کیا ہو اُسی طریقہ سے اس کو قتل کیا جائے، بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ جان لینے کا جو فعل اُس نے مقتول کے ساتھ کیا ہے وہی اُس کے ساتھ کیا جائے۔

[2] جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ ایک قوم یا قبیلہ کے لوگ اپنے مقتول کے خون کو جتنا قیمتی سمجھتے تھے اتنی ہی قیمت کا خون اُس خاندان یا قبیلے یا قوم سے لینا چاہتے تھے جس کے آدمی نے اُسے مارا ہو، محض مقتول کے بدلہ میں قاتل کی جان لے لینے سے اُن کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تھا۔ وہ اپنے ایک آدمی کا بدلہ بیسیوں اور سینکڑوں سے لینا چاہتے تھے اِن کا کوئی معزز آدمی اگر دوسرے گروہ کے ادنیٰ درجہ کے آدمی نے مار دیا ہو تو وہ اس قاتل کے قتل کو کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ اِن کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ اس گروہ کا بھی کوئی ویسا ہی معزز آدمی مارا جائے یا اُس کے کئی آدمی اُن کے مقتول پر سے صدقہ کیے جائیں۔ برعکس اس کے اگر مقتول اُن کی نگاہ میں کوئی ادنیٰ درجہ کا شخص اور قاتل کوئی زیادہ قدر و عزت رکھنے والا شخص ہوتا تو وہ اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے کہ مقتول کے بدلہ میں قاتل کی جان لی جائے۔ اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی۔ موجودہ زمانہ میں جن قوموں کو انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے اُن کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل کی قوم کے پچاس آدمیوں کی جان لیں گے۔ اکثر یہ خبریں ہمارے کان سنتے ہیں کہ ایک شخص کے قتل پر مغلوب قوم کے اتنے یرغمال گولی سے اُڑائے گئے۔ اور ایک "مہذب" قوم نے تو اپنے ایک فرد (سر لی اسٹیک) کے قتل کا بدلہ پوری مصری قوم سے لے کر چھوڑا۔ دوسری طرف اِن نام نہاد مہذب قوموں کی باضابطہ عدالتوں تک کا یہ طرزِ عمل رہا ہے کہ حاکم قوم کا فرد اگر قاتل اور محکوم قوم کا فرد مقتول ہو تو وہ قصاص کا فیصلہ کرنے سے گریز کرتی ہیں۔ یہی خرابیاں ہیں جن کے سدباب کا حکم اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دیا ہے۔ وہ

(باقی صفحہ ۱۷۵ پر)

قاتل کو لازم ہے کہ راستی کے ساتھ خونبہا ادا کرے۔ یہ تمھارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے، اس پر بھی جو زیادتی کرے[۱] اس کے لیے دردناک سزا ہے۔ عقل و خرد رکھنے والو! تمھارے لیے قصاص میں زندگی ہے[۲]، امید ہے کہ تم اس قانون کی خلاف ورزی سے پرہیز کرو گے۔

(بقیہ صفحہ سابق) فرمایا ہے کہ مقتول کے بدلے میں قاتل اور صرف قاتل ہی کی جان لی جائے قطع نظر اس کے کہ قاتل کون ہے اور مقتول کون۔

[۳] "بھائی" کا لفظ فرما کر نہایت لطیف طریقہ سے نرمی کی سفارش بھی کر دی۔ اگرچہ تمھارے اور دوسرے شخص کے درمیان باپ مارے کا بیر ہی سہی، مگر ہے تو وہ تمھارا انسانی بھائی، لہٰذا اگر اپنے ایک خطا کار بھائی کے مقابلہ میں انتقام کے غصے کو پی جاؤ تو یہ تمھاری انسانیت کے زیادہ شایانِ شان ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی قانونِ تعزیرات میں قتل تک کا معاملہ قابلِ راضی نامہ ہے۔ مقتول کے وارثوں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ قاتل کو معاف کر دیں، اور اس صورت میں عدالت کے لیے جائز نہیں کہ قاتل کی جان ہی لینے پر اصرار کرے۔ البتہ جیسا کہ بعد کی آیت میں ارشاد ہوا، معافی کی صورت میں قاتل کو خونبہا ادا کرنا ہو گا۔

[۴] "معروف" کا لفظ قرآن میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اور اس سے مراد وہ صحیح طریق کار ہے جس سے بالعموم انسان واقف ہوتے ہیں اور جس کے متعلق ہر اس شخص کا دل جس کا کوئی ذاتی مفاد کسی خاص پہلو سے وابستہ نہ ہو یہ گواہی دیتا ہے کہ یہی حق اور انصاف ہے اور یہی مناسب طریق عمل ہے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] یعنی مقتول کا وارث خونبہا وصول کر لینے کے بعد پھر انتقام لینے کی کوشش کرے، یا قاتل خونبہا ادا کرنے میں ٹال مٹول کرے اور مقتول کے وارث نے جو احسان اس کے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ احسان فراموشی سے دے۔

[۲] یہ ایک دوسری جاہلیت کی تردید ہے جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی اور آج بھی بکثرت پائی جاتی ہے۔ جس طرح اہلِ جاہلیت کا ایک گروہ انتقام کے پہلو میں افراط کی طرف چلا گیا اسی طرح ایک دوسرا گروہ عفو کے پہلو میں تفریط کی طرف گیا ہے اور اُس نے سزائے موت کے خلاف اتنی تبلیغ کی ہے کہ بہت سے لوگ اس سزا کو نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا کے متعدد ملکوں نے اسے بالکل منسوخ کر دیا ہے۔ قرآن اسی پر اہلِ عقل کو مخاطب کر کے تنبیہ کرتا ہے کہ قصاص میں سوسائیٹی کی زندگی ہے، جو سوسائیٹی انسانی جان کا احترام نہ کرنے والوں کی جان کو محترم ٹھیراتی ہے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہے۔ تم ایک قاتل کی جان بچا کر بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتے ہو۔

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لیے معروف طریقہ سے وصیت کرے، یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔[1] پھر جنھوں نے وصیت سنی اور بعد میں اُسے بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہوگا، اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ البتہ جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے نادانستہ یا قصداً حق تلفی کی ہے، اور پھر معاملہ سے تعلق رکھنے والوں
ع ۲۲ کے درمیان وہ اصلاح کرے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اے ایمان لانے والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں[2] جس طرح تم سے پہلے انبیاء کے پیروؤں پر فرض کیے گئے تھے، اس سے توقع ہے کہ تم میں تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی۔ چند مقرر دنوں کے روزے فرض

---

[1] یعنی جن لوگوں کی خبر گیری، مدد اور خدمت وہ اپنی زندگی میں کرتا تھا، اگر وہ اپنے پیچھے اتنے وسائل چھوڑے جا رہا ہے کہ اس کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رکھا جا سکتا ہو تو اس کو چاہیے کہ ان کے حق میں وصیت کر جائے اور اپنے وارثوں کو ہدایت کر دے کہ فلاں فلاں مستحقین کے ساتھ یہ حسنِ سلوک کیا جائے۔ مگر یہ وصیت "معروف" طریقہ سے ہونی چاہیے، یعنی ایسے طریقہ سے جس میں کسی کے ساتھ بے انصافی اور کسی کی حق تلفی نہ ہو، جسے دیکھ کر ہر بے غرض معقول انسان کہہ دے کہ یہ ایک مناسب وصیت ہے۔ جب تک وراثت کے احکام نازل نہ ہوئے تھے اس وقت تک اپنے پسماندوں میں وراثت کی تقسیم کے متعلق وصیت کرنا بھی مرنے والے ہی کا کام تھا۔ مگر جب وارثوں کے حقوق اللہ نے خود مقرر فرما دیے تو کسی شخص کو یہ حق باقی نہ رہا کہ وہ وارثوں کے درمیان حصوں کی تقسیم کے بارے میں کوئی وصیت کر سکے۔ البتہ وہ اپنے والدین یا دوسرے عزیزوں کے لیے حسنِ سلوک کی عام وصیت کر سکتا ہے، یا کسی رفاہِ عام کے کام میں کچھ صرف کرنے کی ہدایت کر سکتا ہے۔ حدیثِ نبوی کی رو سے یہ وصیت زیادہ سے زیادہ ایک تہائی حصہ میں نافذ ہوگی۔ اس سے زیادہ کی وصیت نافذ نہیں ہوگی۔

[2] اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں مسلمانوں کو صرف ہر مہینہ میں تین دن کے روزے رکھنے کی ہدایت فرمائی تھی، مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر رمضان کے روزوں کا حکم قرآن میں نازل ہوا مگر اس میں اتنی رعایت رکھی گئی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں۔ بعد میں دوسرا حکم نازل ہوا اور یہ عام رعایت منسوخ کر دی گئی۔ البتہ صرف

(باقی صفحہ ۱۷۷ پر)

ہیں۔ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کر لے۔ جو لوگ روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں پھر نہ رکھیں تو وہ فدیہ دیں۔ ایک روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے[۱] تو یہ اُسی کے لیے بہتر ہے۔ لیکن اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزہ رکھو۔[۲]

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن جیسی کتاب نازل کی گئی جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہِ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس مہینہ کو پائے اُس کو لازم ہے کہ اس پورے مہینہ کے روزے رکھے۔ اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو[۳] تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا۔ اس لیے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کر سکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے اُس پر اللہ کی کبریائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گذار بنو۔[۴]

(بقیہ صفحہ ۱۷۶) مریض، مسافر اور حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت اور ایسے بڈھے لوگوں کے لیے جن میں روزے کی طاقت نہ ہو، اسے بدستور باقی رہنے دیا گیا۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] یعنی ایک سے زیادہ آدمیوں کو کھانا کھلائے۔ یا یہ کہ روزہ بھی رکھے اور مسکین کو کھانا بھی کھلائے۔

[۲] یہاں تک وہ ابتدائی حکم ہے، جو رمضان کے روزوں کے متعلق پہلے نازل ہوا تھا۔ اس کے بعد کی آیات ایک سال کے بعد نازل ہوئیں اور مناسبتِ مضمون کی وجہ سے اسی سلسلہ بیان میں شامل کر دی گئیں۔

[۳] سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا آدمی کے اختیارِ تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ سفر میں جایا کرتے تھے اُن میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا، اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا۔ خود آنحضرت نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں آیا ہے کہ ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بدحال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (باقی ۱۷۸ پر)

(باقی ۱۷۸ پر)

اور اے نبی! میرے بندے اگر تم سے میرے متعلق پوچھیں تو انھیں بتادو کہ میں اُن سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا اور جواب دیتا ہوں، لہٰذا انھیں چاہیے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں[۱] یہ بات تم انھیں سنا دو، شاید کہ وہ راہِ راست پالیں[۲]

تمھارے لیے روزے کے دنوں میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم اُن کے لیے[۳]۔ اللہ کو معلوم ہو گیا کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے، مگر اُس نے تمھارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگذر فرمایا[۴]۔ اب، تم اپنی بیویوں کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۷) یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا روزے سے ہے، اِس پر آپ نے فرمایا یہ نیکی نہیں ہے۔

عہ یعنی اللہ نے صرف رمضان ہی کے دنوں کو روزوں کے لیے مخصوص نہیں کر دیا، بلکہ جو رمضان میں روزے نہ رکھ سکیں، اُن کے لیے دوسرے دنوں میں اُس کی قضاء کر لینے کا راستہ بھی کھول دیا ہے تاکہ قرآن کی جو نعمت اس نے تم کو دی ہے اس کا شکریہ ادا کرنے کے قیمتی موقع سے تم محروم نہ رہ جاؤ۔

(حواشی صفحہ ہٰذا) سلہ یعنی اگر تم مجھے دیکھ نہیں سکتے اور نہ اپنے حواس سے محسوس کر سکتے ہو تو یہ خیال مت کرو کہ میں تم سے دور ہوں۔ نہیں، میں اپنے ہر بندے سے اتنا قریب ہوں کہ جب وہ چاہے مجھ سے عرض معروض کر سکتا ہے، حتیٰ کہ دل ہی دل میں وہ جو کچھ مجھ سے گذارش کرتا ہے میں اُسے بھی سُن لیتا ہوں اور صرف سنتا ہی نہیں فیصلہ بھی صادر کرتا ہوں۔ جن بے حقیقت بے اختیار ہستیوں کو تم نے اپنی نادانی سے الٰہ اور رب قرار دے رکھا ہے اُن کے پاس تو تمھیں دوڑ دوڑ کر جانا پڑتا ہے اور پھر بھی وہ تمھاری شنوائی کر سکتے ہیں اور نہ اُن میں یہ طاقت ہے کہ تمھاری درخواستوں پر کوئی فیصلہ صادر کر سکیں۔ مگر میں کائناتِ بے پایاں کا فرمانروائے مطلق، تمام اختیارات اور تمام طاقتوں کا مالک تم سے اتنا قریب ہوں کہ تم خود بغیر کسی واسطے اور وسیلے اور سفارش کے براہِ راست ہر وقت اور ہر جگہ مجھ تک اپنی عرضیاں پہنچا سکتے ہو۔ لہٰذا تم اپنی اس نادانی کو چھوڑ دو کہ ایک ایک بے اختیار بناوٹی خدا کے در پر مارے مارے پھرتے ہو۔ میں جو دعوت تمھیں دے رہا ہوں اس پر لبیک کہہ کر میرا دامن پکڑ لو، میری طرف رجوع کرو، مجھ پر بھروسہ کرو اور میری بندگی و اطاعت میں آ جاؤ۔

سلہ یعنی تمھارے ذریعہ سے یہ حقیقت حال معلوم کر کے ان کی آنکھیں کھل جائیں اور وہ اس صحیح رویّہ (باقی صفحہ ۱۹۰ پر)

شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمھارے لیے جائز کر دیا ہے اُسے حاصل کرو۔ نیز راتوں کو کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدۂ صبح کی دھاری نمایاں نظر آجائے[سلہ]، تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک[سلہ] اپنا روزہ پورا کرو۔ اور جب تم مسجدوں میں معتکف[سلہ] ہو تو بیویوں سے مباشرت

(بقیہ صفحہ ۱۷۸) کی طرف آجائیں جس میں خود انھی کی بھلائی ہے۔

سلہ یعنی جس طرح لباس اور جسم کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہ سکتا بلکہ دونوں کا باہمی تعلق و اتصال بالکل غیر منفک ہوتا ہے اسی طرح تمھارا اور تمھاری بیویوں کا تعلق بھی ہے۔

سلہ ابتداء میں اگرچہ کوئی ایسا صاف حکم نہ تھا کہ رمضان کی راتوں میں مسلمان اپنی بیویوں سے تعلق زن و شو نہ رکھیں، لیکن لوگ اپنی جگہ یہی سمجھتے تھے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور پھر اس کے ناجائز یا مکروہ ہونے کا خیال دل میں لیے ہوئے بیویوں کے پاس جاتے تھے۔ یہ گویا اپنے ضمیر کے ساتھ خیانت کا ارتکاب تھا اور اس سے اندیشہ تھا کہ ایک مجرمانہ اور گناہگارانہ ذہنیت انکے اندر پرورش پاتی رہے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے اس خیانت پر تنبیہ فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا کہ یہ فعل تمھارے لیے جائز ہے لہٰذا اب اسے برا فعل سمجھتے ہوئے نہ کرو بلکہ اللہ کی اجازت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے قلب و ضمیر کی پوری طہارت کے ساتھ کرو۔

(حواشی صفحہ ہذا) سلہ اسلام نے اپنی عبادات کے لیے اوقات کا وہ معیار مقرر کیا ہے جس سے دنیا میں ہر وقت ہر مرتبۂ تمدن کے لوگ ہر جگہ اوقات کا تعین کر سکتے ہیں۔ وہ گھڑیوں کے لحاظ سے وقت مقرر کرنے کے بجائے اُن آثار کے لحاظ سے وقت مقرر کرتا ہے جو آفاق میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ ناواقف لوگ عموماً ان اوقات کے متعلق یہ سوال کیا کرتے ہیں کہ قطبین کے قریب جہاں رات اور دن کئی کئی مہینے کے ہوتے ہیں وہاں اوقات کی یہ تعیین کیسے چل سکے گی؟ لیکن یہ اعتراض دراصل علم جغرافیہ کی سرسری واقفیت کا نتیجہ ہے۔ حقیقت میں نہ وہاں چھ مہینوں کی رات اُس معنی میں ہوتی ہے اور نہ چھ مہینوں کا دن، جس معنی میں ہم خط استواء کے آس پاس رہنے والے لوگ دن اور رات کے لفظ بولتے ہیں۔ خواہ رات کا دور ہو یا دن کا صبح و شام کے آثار بہر حال وہاں پوری باقاعدگی کے ساتھ اُفق پر نمایاں ہوتے ہیں اور انہی کے لحاظ سے وہاں کے لوگ ہماری طرح اپنے سونے جاگنے اور کام کرنے اور تفریح کرنے کے اوقات مقرر کرتے ہیں۔ جب گھڑیوں کا رواج عام نہ تھا تب بھی فلینڈ، ناروے اور گرین لینڈ وغیرہ ملکوں کے لوگ اپنے اوقات معلوم کرتے ہی تھے اور اس کا ذریعہ

(باقی صفحہ ۱۸۸ پر)

نہ کرو۔ یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ پھٹکنا۔[۱] اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں

(بقیہ صفحہ ۱۸۷) ہی افق کے آثار تھے۔ لہٰذا جس طرح دوسرے تمام معاملات میں یہ آثار ان کے لیے تعیینِ اوقات کا کام دیتے ہیں اسی طرح نماز اور سحر و افطار کے معاملہ میں بھی دے سکتے ہیں۔

ٰ رات تک روزہ پورا کرنے سے مراد یہ ہے کہ جہاں رات کی سرحد شروع ہوتی ہے وہیں تمہارے روزے کی سرحد ختم ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ رات کی سرحد غروبِ آفتاب سے شروع ہوتی ہے لہٰذا غروبِ آفتاب ہی کے ساتھ افطار کر لینا چاہیے۔ سحر اور افطار کی صحیح علامت یہ ہے کہ جب رات کے آخری حصہ میں افق کے مشرقی کنارے پر سفیدۂ صبح کی باریک سی دھاری نظر آنے لگے تو سحری کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اور جب دن کے آخری حصہ میں مشرق کی جانب رات کی سیاہی بلند ہوتی نظر آئے تو افطار کا وقت آجاتا ہے۔

ٰ معتکف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رمضان کے آخری دس دن مسجد میں گذارے اور یہ دن اللہ کے ذکر کے لیے مختص کر دے۔ اس اعتکاف کی حالت میں آدمی اپنے ضروری کاموں کے لیے مسجد سے باہر جا سکتا ہے مگر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو شہوانی لذتوں سے روکے رکھے۔

(حواشی صفحہ ہذا) [۱] یہ نہیں فرمایا کہ ان حدوں سے تجاوز نہ کرنا، بلکہ یہ فرمایا کہ ان کے قریب نہ پھٹکنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ سرحد جہاں سے معصیت شروع ہوتی ہے، اُس کے آخری کناروں ہی پر گھومتے رہنا آدمی کے لیے خطرناک ہے۔ سلامتی اسی میں ہے کہ آدمی سرحد سے دور ہی رہے تاکہ بھولے سے بھی قدم اس کے پار نہ چلا جائے۔ یہی مضمون اُس حدیث میں بیان ہوا ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لکل ملک حمی وان حمی اللہ محارمہ فمن رتع حول الحمی یوشک ان یقع فیہ۔ عربی زبان میں حمی اُس چراگاہ کو کہتے ہیں جسے کوئی رئیس یا بادشاہ پبلک کے لیے ممنوع کر دیتا ہے۔ اس محاورے کو استعمال کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں کہ "ہر بادشاہ کی ایک حمی ہوتی ہے، اور اللہ کی حمی اُس کی وہ حدیں ہیں جن سے اس نے حرام و حلال اور طاعت و معصیت کا فرق قائم کیا ہے۔ تو جو جانور اس حمی کے گرد ہی چرتا رہے گا ہو سکتا ہے کہ ایک روز وہ حمی کے اندر داخل ہو جائے"۔ افسوس ہے کہ بہت سے لوگ جو شریعت کی روح سے ناواقف ہیں ہمیشہ اجازت کی آخری حدوں تک ہی جانے پر اصرار کرتے ہیں اور بہت سے علماء و مشائخ بھی اسی غرض کے لیے سندیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر جواز کی آخری حدیں انہیں بتایا کرتے ہیں (باقی صفحہ ۱۸۱ پر)

کے لیے بصراحت بیان کرتا ہے تاکہ وہ غلط رویہ سے بچیں۔
اور تم نہ تو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناروا طریقہ سے کھاؤ، اور نہ حاکموں کے آگے اُن کو اس غرض کے لیے پیش کرو کہ تمھیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقہ سے کھانے کا موقع مل جائے۔ ع۲۴

(بقیہ صفحہ ۱۸۰) تاکہ وہ اُس باریک خطِ امتیاز ہی پر گھومتے رہیں جہاں طاعت اور معصیت کے درمیان محض بال برابر فاصلہ رہ جاتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ بکثرت لوگ معصیت اور معصیت سے بھی بڑھ کر ضلالت میں مبتلا ہو رہے ہیں کیونکہ ان باریک سرحدی خطوط کی تمیز اور اُن کے کنارے پہنچ کر اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۱۹۵ اس آیت کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اُٹھانے کی کوشش نہ کرو۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم یہ جانتے ہو کہ یہ مال دوسرے کا ہے تو محض اس لیے کہ اُس کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے یا کسی اینچ پینچ سے اس کو تم کھا سکتے ہو، اُس کا مقدمہ عدالت میں نہ پیش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ حاکم عدالت روداد مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلوا دے مگر حاکم کا یہ فیصلہ اصل میں غلط بنائی ہوئی روداد سے دھوکا کھا جانے کا نتیجہ ہوگا اس لیے باقاعدہ شرعی عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ بن جاؤ گے اور عند اللہ وہ تمھارے لیے حرام ہی رہے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انما انا بشر وانتم تختصمون الیّ ولعلّ بعضکم یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی لہ علی نحو ما اسمع منہ فمن قضیت لہ بشیء من حق اخیہ فانما اقضی لہ قطعۃ من النار۔ یعنی میں بہرحال ایک انسان ہی تو ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور ایک تم میں سے زیادہ چرب زبان ہو اور اپنی حجت سے میرے سامنے اپنا حق ثابت کردے اور میں جیسی روداد سنوں اُس کے مطابق تمھارے حق میں فیصلہ کر دوں۔ مگر یہ سمجھ لو کہ اپنے کسی بھائی کے حق میں سے اگر کوئی چیز تم نے اس طرح میرے فیصلہ کے ذریعہ سے حاصل کی تو در اصل تم دوزخ کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے۔

مقالات

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں

(۴)

یہود و نصاریٰ قوم فرعون کے بعد ہمارے سامنے بنی اسرائیل اور وہ دوسری قومیں آتی ہیں جنھوں نے یہودیت اور عیسائیت اختیار کی۔ ان کے متعلق یہ تو گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر ہوں گے، یا اس کو الٰہ اور رب نہ مانتے ہوں گے، اس لیے کہ خود قرآن ان کے اہلِ کتاب ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ پھر سوال یہ ہے کہ ربوبیت کے باب میں ان کے عقیدے اور طرزِ عمل کی وہ کونسی خاص غلطی ہے جس کی بنا پر قرآن نے اُن کو گمراہ قرار دیا ہے؟ اس کا مجمل جواب خود قرآن ہی سے ہمیں یہ ملتا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدہ - ۱۰)	کہو، اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور اُن قوموں کے فاسد خیالات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہو چکی ہیں، جنھوں نے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کیا اور خود بھی راہِ راست سے بھٹک گئیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہودی اور عیسائی قوموں کی گمراہی بھی اصلاً اسی نوعیت کی ہے جس میں اُن سے پہلے کی قومیں ابتدا سے مبتلا ہوتی چلی آئی ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ یہ گمراہی ان کے اندر غلو فی الدین[1] کے راستے سے آئی ہے۔ اب دیکھیے کہ اس اجمال کی تفصیل قرآن کس طرح کرتا ہے۔

[1] غلو کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا۔ دین میں غلو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ دین میں کسی چیز کا جو مرتبہ، جو مقام اور جو حیثیت ہو اُس کو اس سے بڑھا دیا جائے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ (التوبہ ۔ ۵)

یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ (المائدہ ۔ ۱۰)

کفر کیا ان عیسائیوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے حالانکہ مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل، اللہ کی بندگی کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (المائدہ ۔ ۱۰)

کفر کیا ان عیسائیوں نے جنھوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا ایک ہے حالانکہ ایک الٰہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ ہے ہی نہیں۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ (المائدہ ۔ ۱۶)

اور جب اللہ پوچھے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ بنا لو؟ تو وہ جواب میں عرض کرے گا کہ سبحان اللہ! میری کیا مجال تھی کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران ۔ ۸)

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکم اور نبوت سے سرفراز کرے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ ربانی (خدا پرست) بنو جس طرح تم خدا کی کتاب میں پڑھتے پڑھاتے ہو اور جس کے درس دیا کرتے ہو۔ کوئی نبی تم کو کبھی یہ حکم نہ دے گا کہ ملائکہ اور پیغمبروں کو رب بنا لو۔ کیا وہ تمھیں کفر کی تعلیم دے گا جب کہ تم مسلم ہو چکے ہو؟

ان آیات کی رو سے اہل کتاب کی پہلی گمراہی یہ تھی کہ جو بزرگ ہستیاں ـــــ انبیاء، اولیاء، ملائکہ وغیرہ ـــــ دینی حیثیت سے قدر و منزلت کی مستحق تھیں، اُن کو انھوں نے ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھا کر خدائی کے مرتبہ میں پہنچا دیا، کاروبارِ خداوندی میں اُنھیں دخیل و شریک ٹھیرایا، اُن کی پرستش کی، اُن سے دعائیں مانگیں، انھیں فوق الفطری ربوبیت و الوہیت میں حصہ دار سمجھا، اور یہ گمان کیا کہ وہ بخشش اور مدد اور نگہبانی کے اختیارات رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اُن کی دوسری گمراہی یہ تھی کہ:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (التوبہ - ۵)	انھوں نے اللہ کے سوا اپنے علماء اور مشائخ کو بھی اپنا رب بنا لیا۔

یعنی نظامِ دینی میں جن لوگوں کی حیثیت صرف یہ تھی کہ خدا کی شریعت کے احکام بتائیں اور خدا کی مرضی کے مطابق اخلاق کی اصلاح کریں، انھیں رفتہ رفتہ یہ حیثیت دے دی کہ باختیارِ خود جس چیز کو چاہیں حرام اور جسے چاہیں حلال ٹھیرا دیں اور کتابِ الٰہی کی سند کے بغیر جو حکم چاہیں دیں جس چیز سے چاہیں منع کر دیں اور جو سنّت چاہیں جاری کریں۔ اس طرح یہ لوگ انہی دو عظیم الشان بنیادی گمراہیوں میں مبتلا ہو گئے جن میں قومِ نوح، قومِ ابراہیم، عاد، ثمود، اہلِ مدین اور دوسری قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔ اُن کی طرح انھوں نے بھی فوق الطبعی ربوبیت میں فرشتوں اور بزرگوں کو اللہ کا شریک بنایا، اور انہی کی طرح انھوں نے تمدنی و سیاسی ربوبیت اللہ کے بجائے انسانوں کو دی اور اپنے تمدن، معاشرت، اخلاق اور سیاست کے اصول و احکام اللہ کی سند سے بے نیاز ہو کر انسانوں سے لینے شروع کر دیے۔ حتیٰ کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ۔ (النساء - ۸)	تم نے دیکھا اُن لوگوں کو جنھیں کتاب اللہ کا ایک حصہ ملا ہے اور اُن کی حالت یہ ہے کہ جبت اور طاغوت کو مان رہے ہیں۔
قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَ	کہو، میں بتاؤں تمھیں اللہ کے نزدیک فاسقین سے بھی زیادہ بدتر انجام کن کا ہے؟ وہ جن پر اللہ نے لعنت کی،

جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ (المائدہ - ۹)	جن پر اس کا غضب ٹوٹا جن میں بہت سے لوگ اس کے حکم سے بندر اور سؤر تک بنائے گئے، اور جنھوں نے طاغوت کی بندگی کی، وہ سب سے بدتر درجہ کے لوگ ہیں اور راہِ راست سے بہت زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں

"جبت" کا لفظ تمام اوہام و خرافات کے لیے جامع لفظ ہے جس میں جادو، ٹونے، ٹوٹکے، کہانت، فال گیری، سعد و نحس کے تصورات، غیر فطری تاثیرات، غرض جملہ اقسام کے توہمات شامل ہیں۔ اور "طاغوت" سے مراد ہر وہ شخص، یا گروہ یا ادارہ ہے جس نے خدا کے مقابلہ میں بغاوت و سرکشی اختیار کی ہو اور بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خداوندی کا عَلم بلند کیا ہو۔ پس یہود و نصاریٰ جب مذکورۂ بالا دو قسم کی گمراہیوں میں پڑ گئے تو پہلی قسم کی گمراہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ ہر قسم کے توہمات نے اُن کے دلوں اور دماغوں پر قبضہ کر لیا، اور دوسری گمراہی نے اُن کو علماء و مشائخ اور زہاد و صوفیہ کی بندگی سے بڑھا کر اُن جباروں اور ظالموں کی بندگی و اطاعت تک پہنچا دیا جو کھلم کھلا خدا سے باغی تھے۔

مشرکینِ عرب اب دیکھنا چاہیے کہ وہ عرب کے مشرکین جن کی طرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، اور جو قرآن کے اولین مخاطب تھے، اس باب میں اُن کی گمراہی کس نوعیت کی تھی۔ کیا وہ اللہ سے ناواقف تھے یا اُس کی ہستی کے منکر تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے بھیجے گئے تھے کہ انھیں وجودِ باری کا معترف بنائیں؟ کیا وہ اللہ کو الٰہ اور رب نہیں مانتے تھے اور قرآن اس لیے نازل ہوا تھا کہ انھیں حق جل شانہ کی الٰہیت و ربوبیت کا قائل کرے؟ کیا انھیں اللہ کی عبادت و پرستش سے انکار تھا؟ یا وہ اللہ کو دعائیں سننے والا اور حاجتیں پوری کرنے والا نہیں سمجھتے تھے؟ یا اُن کا یہ خیال تھا کہ لات اور منات اور عزّیٰ اور ہبل اور دوسرے معبود ہی اصل میں کائنات کے خالق، مالک، رازق اور مدبر و منتظم ہیں؟ یا وہ اپنے اِن معبودوں کو قانون کا منبع اور اخلاق و تمدن کے مسائل میں ہدایت و رہنمائی کا سرچشمہ مانتے تھے؟ اِن میں سے ایک ایک سوال کا جواب ہم کو قرآن سے نفی کی صورت میں ملتا ہے۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ عرب کے مشرکین نہ صرف یہ کہ اللہ کی ہستی کے قائل تھے بلکہ اسے تمام کائنات کا اور

خود اپنے معبودوں تک کا خالق، مالک اور خداوند اعلیٰ مانتے تھے، اس کو رب اور اِلٰہ تسلیم کرتے تھے، مشکلات اور مصائب میں آخری اپیل وہ جس سرکار میں کرتے تھے وہ اللہ ہی کی سرکار تھی، انھیں اللہ کی عبادت و پرستش سے بھی انکار نہ تھا، ان کا عقیدہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں کے بارے میں نہ تو یہ تھا کہ وہ اُن کے اور کائنات کے خالق و رازق ہیں اور نہ یہ کہ یہ معبود زندگی کے تمدنی و اخلاقی مسائل میں ہدایت و رہنمائی کرتے ہیں چنانچہ ذیل کی آیات اس پر شاہد ہیں:

قُلْ لِمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ، سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ، قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ، بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (المومنون - ۵)

اے نبی ان سے کہو زمین اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کس کی ملک ہے، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اللہ کی ملک ہے۔ کہو، پھر بھی تم نصیحت قبول نہیں کرتے؟ کہو، ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب کون ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔ کہو، پھر بھی تم نہیں ڈرتے؟ کہو، ہر چیز کے شاہانہ اختیارات کس کے ہاتھ میں ہیں اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں پناہ دینے کی طاقت کسی میں نہیں، بتاؤ اگر تم جانتے ہو؟ وہ کہیں گے یہ صفت اللہ ہی کی ہے۔ کہو، پھر کہاں سے تم کو دھوکا لگتا ہے؟ حق یہ ہے کہ ہم نے صداقت اُن کے سامنے پیش کر دی ہے اور یہ لوگ یقیناً جھوٹے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ

وہ اللہ ہی ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے حتیٰ کہ جس وقت تم کشتیوں میں سوار ہو کر بادِ موافق پر فرحاں اور شاداں سفر کر رہے ہوتے ہو، اور پھر یکایک بادِ مخالف کا زور ہوتا ہے اور ہر طرف سے موجوں کے تھپیڑے لگتے ہیں اور تم سمجھتے ہو کہ طوفان میں گھر گئے ہو اس وقت سب اللہ ہی کو پکارتے ہیں

لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ (یونس - ۳)

ہیں اور اسی کے لیے اپنے دین کو خالص کرکے دعائیں مانگتے ہیں کہ اگر تو نے اس بلا سے ہم کو بچا لیا تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے۔ مگر جب وہ ان کو بچا لیتا ہے تو پھر وہی لوگ حق سے منحرف ہو کر زمین میں بغاوت کرنے لگتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا (بنی اسرائیل - ۷)

جب سمندر میں تم پر کوئی آفت آتی ہے تو اس ایک رب کے سوا اور جن جن کو تم پکارا کرتے ہو وہ سب گم ہو جاتے ہیں مگر جب وہ تمھیں بچا کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے پھر جاتے ہو۔ سچ یہ ہے کہ انسان بڑا ناشکرا ہے۔

اپنے معبودوں کے متعلق ان کے جو خیالات تھے وہ خود انہی کے الفاظ میں قرآن اس طرح نقل کرتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ (الزمر - ۱)

وَیَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ۔ (یونس - ۲)

جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے ولی و کارساز ٹھیرا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ سے قریب کر دیں۔ اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے حضور میں ہمارے سفارشی ہیں۔

پھر وہ اپنے معبودوں کے بارے میں اس قسم کا بھی کوئی گمان نہ رکھتے تھے کہ وہ مسائل زندگی میں ہدایت بخشنے والے ہیں۔ چنانچہ سورۂ یونس میں اللہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ؟

ان سے پوچھو تمھارے ٹھیرائے ہوئے ان شریکوں میں سے کوئی حق کی طرف رہنمائی کرنے والا بھی ہے؟

لیکن یہ سوال سن کر ان پر سکوت چھا جاتا ہے۔ اُن میں سے کوئی یہ جواب نہیں دیتا کہ ہاں لات یا منات یا عزیٰ یا دوسرے معبود ہمیں فکر و عمل کی صحیح راہیں بتاتے ہیں، اور وہ دنیا کی زندگی میں عدل اور سلامتی اور امن کے اصول ہمیں سکھاتے ہیں، اور ان کے سرچشمۂ علم سے ہم کو کائنات کے بنیادی حقائق

کی معرفت حاصل ہوتی ہے تب اللہ اپنے نبی سے فرماتا ہے:

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ ۗ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدٰى ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ

(یونس - ۴)

کہو، "مگر اللہ حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے، پھر بتاؤ کون اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، وہ جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے یا وہ جو رہنمائی نہیں کرتا اِلّا یہ کہ اس کی رہنمائی کی جائے؟ تمھیں کیا ہو گیا ہے، کیسے فیصلے کر رہے ہو؟"

ان تصریحات کے بعد اب یہ سوال حل طلب رہ جاتا ہے کہ ربوبیت کے باب میں اُن کی وہ اصلی گمراہی کیا تھی جس کی اصلاح کرنے کے لیے اللہ نے اپنے نبی کو بھیجا اور کتاب نازل کی؟ اس سوال کی تحقیق کے لیے جب ہم قرآن میں نظر کرتے ہیں تو ان کے عقائد و اعمال میں بھی ہم کو انہی دو بنیادی گمراہیوں کا سُراغ ملتا ہے جو قدیم سے تمام گمراہ قوموں میں پائی جاتی رہی ہیں یعنی ایک طرف فوق الطبعی ربوبیت و الٰہیت میں وہ اللہ کے ساتھ دوسرے اِلٰہوں اور ارباب کو شریک ٹھیراتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے کہ سلسلۂ اسباب پر جو حکومت کارفرما ہے اس کے اختیارات و اقتدارات میں کسی نہ کسی طور پر ملائکہ، اور بزرگ انسان، اور اجرام فلکی وغیرہ بھی دخل رکھتے ہیں، اور اسی بنا پر دعا اور استعانت اور مراسم عبودیت میں وہ صرف اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے بلکہ ان بناوٹی خداؤں کی طرف بھی رجوع کیا کرتے تھے۔ اور دوسری طرف تمدنی و سیاسی ربوبیت کے باب میں ان کا ذہن اس تصور سے بالکل خالی تھا کہ اللہ اس معنی میں بھی رب ہے۔ اس معنی میں وہ اپنے مذہبی پیشواؤں، اپنے سرداروں اور اپنے خاندان کے بزرگوں کو رب بنائے ہوئے تھے اور انہی سے اپنی زندگی کے قوانین لیتے تھے۔ چنانچہ پہلی گمراہی کے متعلق قرآن یہ شہادت دیتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهِ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةَ

انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو خدا پرستی کی سرحد پر کھڑا ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے، فائدہ ہوا تو مطمئن ہو گیا اور جو کوئی تکلیف پہنچ گئی تو اُلٹا پھر گیا۔ یہ شخص دنیا اور آخرت دونوں میں خسارہ

ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ. يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ، ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ. يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ. لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ۔ (الحج - ۲)

اٹھانے والا ہے اور یہ صریح خسارہ ہے۔ وہ اللہ سے پھر کر اُن کو پکارنے لگتا ہے جو نہ اُسے نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ فائدہ پہنچانے کی۔ یہی بڑی گمراہی ہے۔ وہ مدد کے لیے اُن کو پکارتا ہے جنھیں پکارنے کا نقصان بہ نسبت نفع کے زیادہ قریب ہے۔ کیسا بُرا مولیٰ ہے اور کیسا بُرا ساتھی۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ. قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ، سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (یونس - ۲)

یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، اور کہتے یہ ہیں کہ وہ اللہ کے حضور میں ہمارے سفارشی ہیں۔ کہو، کیا تم اللہ کو اس بات کی خبر دیتے ہو جو اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں؟[1] اللہ پاک ہے اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا (حم السجدہ - ۲)

اے نبی ان سے کہو، کیا واقعی تم اس خدا سے جس نے دو دن میں زمین کو پیدا کر دیا کفر کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہو؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (المائدہ - ۱۰)

کہو، کیا تم اللہ کو چھوڑ کر اُن کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے لیے نقصان کا کچھ اختیار رکھتے ہیں نہ فائدے کا؟ حالانکہ سننے اور جاننے والا تو اللہ ہی ہے۔

---

[1] یعنی تم اس خیالِ خام میں مبتلا ہو کہ تمہارے اِن معبودوں کا میرے ہاں ایسا زور چلتا ہے کہ جو سفارش یہ مجھ سے کر دیں وہ بس قبول ہو کر رہتی ہے اور اسی لیے تم ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے اور نذریں چڑھاتے ہو۔ مگر میں تو آسمانوں اور زمین میں کسی ایسی ہستی کو نہیں جانتا جو میرے دربار میں اتنی زور آور ہو یا مجھے ایسی محبوب ہو کہ میں اس کی سفارش قبول کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ پھر کیا تم مجھے ان سفارشیوں کی خبر دیتے ہو جنھیں میں خود نہیں جانتا؟ ظاہر ہے، کسی چیز کا اللہ کے علم میں نہ ہونا یہ معنی رکھتا ہے کہ اس چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ (الزمر - ۱)

اور جب انسان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو یکسو ہو کر اپنے رب ہی کو پکارتا ہے۔ مگر جب وہ اپنی نعمت سے اس کو سرفراز کرتا ہے تو وہ اُس مصیبت کو بھول جاتا ہے جس میں مدد کے لیے اس سے پہلے اللہ کو پکار رہا تھا اور اللہ کے ہمسر ٹھیرانے لگتا ہے[1] تاکہ یہ حرکت اسے اللہ کے راستہ سے بھٹکا دے۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ (النحل - ۷)

تمھیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ کی بخشش سے حاصل ہے۔ پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اللہ ہی کی طرف فریاد لے کر تم جاتے ہو۔ مگر جب وہ اس مصیبت کو تم پر سے ٹال دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو (اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھیرانے لگتے ہیں تاکہ ہمارے احسان کا جواب احسان فراموشی سے دیں۔ اچھا مزے کر لو عنقریب تمھیں اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔ یہ لوگ جن کو نہیں جانتے اُن کے لیے ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے حصے[2] مقرر کرتے ہیں۔ خدا کی قسم جو افترا پردازیاں تم کرتے ہو ان کی باز پرس تم سے ہو کر رہے گی۔

رہی دوسری گمراہی تو اُس کے متعلق قرآن کی شہادت یہ ہے:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے لیے اُن کے بنائے ہوئے شریکوں نے اپنی اولاد کا قتل پسندیدہ بنا دیا تاکہ انھیں ہلاکت

۱؎ اللہ کے ہمسر ٹھیرانے لگتا ہے، یعنی پھر یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ مصیبت فلاں بزرگ کی برکت سے ٹلی اور یہ نعمت فلاں حضرت کی عنایت سے نصیب ہوئی۔

۲؎ یعنی جن کے متعلق انھیں ہرگز کسی ذریعۂ علم سے یہ تحقیق نہیں ہوا ہے کہ مصیبت کے ٹالنے والے اور مشکل آسان کرنے والے وہ تھے اُن کے لیے شکرانے کے طور پر چڑھاوے اور نذریں اور نیازیں نکالتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے نکالتے ہیں۔

وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ (انعام - ۱۶) | میں مبتلا کریں اور اُن کے دین کو ان کے لیے مشتبہ بنادیں

ظاہر ہے کہ یہاں "شریکوں" سے مراد بُت اور دیوتا نہیں ہیں بلکہ وہ پیشوا اور رہنما ہیں جنھوں نے قتل اولاد کو اہلِ عرب کی نگاہ میں ایک بھلائی اور خوبی کا کام بنایا اور حضرت ابراہیم و اسماعیل کے دین میں اس رسم قبیح کی آمیزش کر دی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ خدا کے "شریک" اس معنی میں قرار نہیں دیے گئے تھے کہ اہلِ عرب ان کو سلسلۂ اسباب پر حکمراں سمجھتے تھے یا اُن کی پرستش کرتے اور اُن سے دعائیں مانگتے تھے، بلکہ ان کو ربوبیت و الٰہیت میں شریک اس لحاظ سے ٹھیرایا گیا تھا کہ اہلِ عرب ان کے اس حق کو تسلیم کرتے تھے کہ تمدنی و معاشرتی مسائل اور اخلاقی و مذہبی امور میں وہ جیسے چاہیں قوانین مقرر کر دیں۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (الشوریٰ - ۳) | کیا یہ ایسے شریک بنائے بیٹھے ہیں جنھوں نے ان کے لیے دین کی قسم سے وہ قانون بنادیا جس کا اللہ نے کوئی اِذن نہیں دیا ہے

لفظ "دین" کی تشریح آگے چل کر بیان ہوگی، اور وہیں اس آیت کے مفہوم کی وسعت بھی پوری طرح واضح ہو سکے گی لیکن یہاں کم از کم یہ بات تو صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر اُن کے پیشواؤں اور سرداروں کا ایسے ضابطے اور قاعدے مقرر کرنا جو "دین" کی نوعیت رکھتے ہوں اور اہلِ عرب کا ان ضابطوں اور قاعدوں کو واجب التقلید مان لینا، یہی ربوبیت و الٰہیت میں اُن کا خدا کے ساتھ شریک بننا اور یہی اہلِ عرب کا اُن کی شرکت کو تسلیم کر لینا تھا۔

قرآن کی دعوت گمراہ قوموں کے تخیلات کی یہ تحقیق جو پچھلے صفحات میں کی گئی ہے، اس حقیقت کو بالکل بے نقاب کر دیتی ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے لے کر زمانۂ نزولِ قرآن تک جتنی قوموں کا ذکر قرآن نے ظالم، فاسد العقیدہ اور بدراہ ہونے کی حیثیت سے کیا ہے اُن میں سے کوئی بھی خدا کی ہستی کی منکر نہ تھی، نہ کسی کو اللہ کے مطلقاً رب اور الٰہ ہونے سے انکار تھا، البتہ ان سب کی اصل گمراہی اور مشترک گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے ربوبیت کے اُن پانچ مفہومات کو جو ہم ابتدا میں لغت اور قرآن کی شہادتوں سے متعین کر چکے ہیں، دو حصوں میں تقسیم

کر دیا تھا: رَبّ کا یہ مفہوم کہ وہ فوق الفطری طور پر مخلوقات کی پرورش، خبر گیری، حاجت روائی اور نگہبانی کا کفیل ہوتا ہے، اُن کی نگاہ میں ایک الگ نوعیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ اگرچہ ربِّ اعلیٰ تو اللہ ہی کو مانتے تھے مگر اس کے ساتھ فرشتوں اور دیوتاؤں کو، جنوں اور غیر مرئی قوتوں کو، ستاروں اور سیاروں کو، انبیاء، اولیاء اور روحانی پیشواؤں کو بھی ربوبیت میں شریک ٹھیراتے تھے۔ اور رَبّ کا یہ مفہوم کہ وہ امر و نہی کا مختار، اقتدارِ اعلیٰ کا مالک، ہدایت و رہنمائی کا منبع، قانون کا ماخذ، مملکت کا رئیس اور اجتماع کا مرکز ہوتا ہے، اُن کے نزدیک بالکل ہی ایک دوسری حیثیت رکھتا تھا، اور اس مفہوم کے اعتبار سے وہ یا تو اللہ کے بجائے صرف انسانوں ہی کو رب مانتے تھے، یا نظری طور پر اللہ کو رب ماننے کے باوجود عملاً انسانوں کی اخلاقی یا تمدنی اور سیاسی ربوبیت کے آگے سرِ اطاعت خم کیے رہتے تھے۔

اسی گمراہی کو دور کرنے کے لیے ابتدا سے انبیاء علیہم السلام آتے رہے ہیں اور اسی کے لیے آخرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ اُن سب کی دعوت یہ تھی کہ اِن تمام مفہومات کے اعتبار سے رب ایک ہی ہے اور وہ اللہ جل شانہ ہے۔ ربوبیت ناقابلِ تقسیم ہے، اُس کا کوئی جز کسی معنی میں بھی کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہے۔ کائنات کا نظام ایک کامل مرکزی نظام ہے جس کو ایک ہی خدا نے پیدا کیا، جس پر ایک ہی خدا فرمانروائی کر رہا ہے جس کے سارے اختیارات و اقتدارات کا مالک ایک ہی خدا ہے۔ نہ اس نظام کے پیدا کرنے میں کسی دوسرے کا کچھ دخل ہے، نہ اس کی تدبیر و انتظام میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی فرماں روائی میں کوئی حصہ دار ہے۔ مرکزی اقتدار کا مالک ہونے کی حیثیت سے وہی اکیلا خدا تمہارا فوق الفطری رب بھی ہے اور اخلاقی، تمدنی اور سیاسی رب بھی۔ وہی تمہارا معبود ہے۔ وہی تمہارے سجدوں اور رکوعوں کا مرجع ہے، وہی تمہاری دعاؤں کا ملجا و ماویٰ ہے، وہی تمہارے توکل و اعتماد کا سہارا ہے، وہی تمہاری ضرورتوں کا کفیل ہے، اور اسی طرح وہی بادشاہ، وہی مالک الملک، وہی شارع و قانون ساز، اور وہی امر و نہی کا مختار بھی ہے۔ ربوبیت کی یہ دونوں حیثیتیں، جن کو جاہلیت کی وجہ سے تم نے ایک دوسرے سے الگ کیا ہے، حقیقت میں

خدائی کا لازمہ اور خدا کے خدا ہونے کا خاصہ ہیں، انھیں نہ تو ایک دوسرے سے منفک کیا جا سکتا ہے، اور نہ ان میں سے کسی حیثیت میں بھی مخلوقات کو خدا کا شریک ٹھیرانا درست ہے۔

اس دعوت کو قرآن جس طریقہ سے پیش کرتا ہے وہ خود اسی کی زبان سے سنیے:

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ، يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ (اعراف ـ ۷)

حقیقت میں تمھارا رب تو اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا اور پھر اپنے تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوگیا، جو دن کو رات کا لباس اُڑھاتا ہے اور پھر رات کے تعاقب میں دن تیزی کے ساتھ دوڑا آتا ہے، سورج اور چاند اور تارے سب کے سب جس کے تابع فرمان ہیں۔ سنو! خلق اُسی کی ہے اور فرمانروائی بھی اُسی کی۔ بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رب۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۚ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ ۚ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ، فَذٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۖ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ ۖ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ (یونس ۴)

ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ کانوں کی شنوائی اور آنکھوں کی بینائی کس کے قبضۂ اختیار میں ہے؟ کون ہے جو بے جان کو جاندار میں سے اور جاندار کو بے جان میں سے نکالتا ہے؟ اور کون اس کارگاہِ عالم کا انتظام چلا رہا ہے؟ وہ ضرور کہیں گے، اللہ۔ کہو، پھر تم ڈرتے نہیں ہو؟ جب یہ سارے کام اُسی کے ہیں تو تمھارا حقیقی رب اللہ ہی ہے — حقیقت کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ آخر کہاں سے تمھیں یہ ٹھوکر لگتی ہے کہ حقیقت سے پھرے جاتے ہو؟

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۖ يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ ۖ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى ....

اُس نے زمین اور آسمانوں کو برحق پیدا کیا ہے، رات کو دن پر اور دن کو رات پر وہی لپیٹتا ہے، چاند اور سورج کو اُسی نے ایسے ضابطہ کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقرر وقت

ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (الزمر - ۱)

...تک چلے جا رہا ہے ..... یہی اللہ تمہارا رب ہے، بادشاہی اُسی کی ہے، اُس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں، آخر یہ تم کہاں سے ٹھوکر کھا کر پھر جاتے ہو؟

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا .... ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ، لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، فَأَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ .... اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ، ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ، هُوَ الْحَيُّ لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (المومن - ۷)

اللہ جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں تم سکون حاصل کرو اور دن کو روشن کیا ..... وہی اللہ تمہارا رب ہے، ہر چیز کا خالق، کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں، پھر یہ کہاں سے دھوکا کھا کر تم بھٹک جاتے ہو؟ ..... اللہ جس نے تمہارے لیے زمین کو جائے قرار بنایا، آسمان کی چھت تم پر چھائی، تمہاری صورتیں بنائیں اور خوب ہی صورتیں بنائیں، اور تمہاری غذا کے لیے پاکیزہ چیزیں مہیا کیں، وہی اللہ تمہارا رب ہے، بڑا بابرکت ہے وہ کائنات کا رب، وہی زندہ ہے، کوئی اور معبود اس کے سوا نہیں، اسی کو تم پکارو اپنے دین کو اس کے لیئے خالص کر کے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ .... يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ، كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ذَالِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ، لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ، إِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ (فاطر - ۲)

اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ..... وہ رات کو دن میں پرو دیتا ہے اور دن کو رات میں، اُس نے چاند اور سورج کو ایسے ضابطہ کا پابند بنایا ہے کہ ہر ایک اپنے مقرر وقت تک چلے جا رہا ہے۔ یہی اللہ تمہارا رب ہے، پادشاہی اُسی کی ہے، اس کے سوا جن دوسری ہستیوں کو تم پکارتے ہو ان کے ہاتھ میں ایک ذرے کا اختیار بھی نہیں ہے، تم پکارو تو وہ تمہاری پکار سن نہیں سکتے، اور سُن بھی لیں تو تمہاری درخواست کا جواب دینا اُن کے بس میں نہیں

تم جو انھیں شریکِ خدا بناتے ہو اس کی تردید وہ خود قیامت کے دن کر دیں گے۔

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔۔۔۔ ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔۔۔۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (الروم - ۴)

آسمانوں کے رہنے والے ہوں یا زمین کے، سب اس کے غلام اور اس کے تابع فرمان ہیں . . . . اللہ خود تمھاری اپنی ذات سے ایک مثال تمھارے سامنے بیان کرتا ہے۔ کیا تمھارے غلاموں میں سے کوئی اُن چیزوں کی ملکیت میں تمھارا شریک ہوتا ہے جو ہم نے تمھیں بخشی ہیں؟ کیا ان چیزوں کے اختیارات و تصرفات میں تم اور تمھارے غلام مساوی ہوتے ہیں؟ کیا تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے برابر والوں سے ڈرا کرتے ہو؟ جو لوگ عقل سے کام لینے والے ہیں اُن کے لیے تو ہم حقیقت تک پہنچا دینے والی دلیلیں اس طرح کھول کر بیان کر دیتے ہیں، مگر ظالم لوگ علم کے بغیر اپنے بے بنیاد خیالات کے پیچھے چلے جا رہے ہیں . . . . لہٰذا تم بالکل یکسو ہو کر حقیقی دین کے راستے پر اپنے آپ کو ثابت قدم کر دو، اللہ کی فطرت پر قائم ہو جاؤ جس پر اُس نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلقت کو بدلا نہ جائے، یہی ٹھیک سیدھا طریقہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ (الزمر - ۷)

ان لوگوں نے اللہ کی عظمت و کبریائی کا اندازہ جیسا کہ کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ قیامت کے روز یہ دیکھیں گے کہ زمین پوری اس کی مٹھی میں ہے اور آسمان اس کے ہاتھ میں سمٹے ہوئے ہیں۔ اس کی ذات منزہ اور بالاتر ہے اس سے کہ کوئی اس کا شریک ہو، جیسا کہ یہ لوگ قرار دے رہے ہیں۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جاثیہ - ۴)

پس ساری تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو زمین اور آسمان اور تمام کائنات کا رب ہے، کبریائی اُسی کی ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی، اور وہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا (مریم - ۴)

وہ زمین اور آسمانوں کا مالک اور اُن ساری چیزوں کا مالک ہے جو زمین و آسمان میں ہیں، لہٰذا تو اسی کی بندگی کر اور اس کی بندگی پر ثابت قدم رہ۔ کیا اس جیسا اور کوئی تیرے علم میں ہے؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ (ہود - ۱۰)

زمین اور آسمانوں کی ساری پوشیدہ حقیقتیں اللہ کے علم میں ہیں اور سارے معاملات اسی کی سرکار میں پیش ہوتے ہیں، لہٰذا تو اسی کی بندگی کر اور اسی پر بھروسہ کر۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا (المزمل - ۱)

مشرق اور مغرب سب کا وہی مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تو اسی کو اپنا مختار بنا لے۔

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ (الانبیاء - ۶)

حقیقت میں تمہاری یہ امت ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا رب ہوں، لہٰذا تم میری ہی بندگی کرو۔ لوگوں نے اس کار ربوبیت اور اس معاملۂ بندگی کو آپس میں خود ہی تقسیم کر لیا ہے، مگر ان سب کو بہرحال ہماری طرف ہی پلٹ کر آنا ہے۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ (اعراف - ۱)

پیروی کرو اس کتاب کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے، اور اُسے چھوڑ کر دوسرے کارسازوں کی پیروی نہ کرو

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ

کہو، اے اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم نہ تو اللہ کے سوا کسی کی بندگی کریں

بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (آل عمران - ۷)	نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیں، اور نہ ہم میں سے کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اللہ کے سوا اپنا رب بنائے
قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ (الناس)	کہو، میں پناہ ڈھونڈتا ہوں اُس کی جو انسانوں کا رب، انسانوں کا بادشاہ اور انسانوں کا معبود ہے۔
فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (الكهف)	پس جو اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی اور کی بندگی شریک نہ کرے۔

ان آیات کو سلسلہ وار پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن ربوبیت کو بالکل حاکمیت اور سلطانی کا ہم معنی قرار دیتا ہے اور "رب" کا یہ تصور ہمارے سامنے پیش کرتا ہے کہ وہ کائنات کا سلطانِ مطلق اور لاشریک مالک و حاکم ہے۔ اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور تمام جہان کا پروردگار، مربی اور حاجت روا ہے، اسی حیثیت سے وہ ہمارا کفیل، خبر گیراں، مختار کار اور معتمد علیہ ہے، اسی حیثیت سے اس کی وفاداری وہ قدرتی بنیاد ہے جس پر ہماری اجتماعی زندگی کی عمارت صحیح طور پر قائم ہوتی ہے، اور اُس کی مرکزی شخصیت سے وابستگی تمام متفرق افراد اور گروہوں کے درمیان ایک امت کا رشتہ پیدا کرتی ہے، اسی حیثیت سے وہ ہماری اور تمام مخلوقات کی بندگی، اطاعت اور پرستش کا مستحق ہے، اور اسی حیثیت سے وہ ہمارا اور ہر چیز کا مالک، آقا اور فرمانروا ہے۔ اہل عرب اور دنیا کے تمام جاہل لوگ ہر زمانہ میں اس غلطی میں مبتلا تھے اور اب تک ہیں کہ ربوبیت کے اس جامع تصور کو انھوں نے پانچ مختلف النوع ربوبیتوں میں تقسیم کر دیا اور اپنے قیاس و گمان سے یہ رائے قائم کی کہ مختلف قسم کی ربوبیتیں مختلف ہستیوں سے متعلق ہو سکتی ہیں اور متعلق ہیں۔ لیکن قرآن اپنے طاقتور استدلال سے یہ ثابت کرتا ہے کہ کائنات کے اس مکمل مرکزی نظام میں اس بات کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ اقتدارِ اعلیٰ جس خدا کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا ربوبیت کا کوئی کام کسی دوسری ہستی سے کسی درجہ میں بھی متعلق ہو

اس نظام کی مرکزیت خود گواہ ہے کہ ہر طرح کی ربوبیت اسی ایک خدا کے لیے مختص ہے جو اس نظام کو وجود میں لایا ہے۔ لہٰذا جو شخص اس نظام کے اندر رہتے ہوئے ربوبیت کا کوئی جز کسی معنی میں بھی خدا کے سوا کسی اور سے متعلق سمجھتا ہے یا متعلق کرتا ہے، وہ دراصل حقیقت سے لڑتا ہے، صداقت سے منہ موڑتا ہے، حق کے خلاف بغاوت کرتا ہے، اور امر واقعی کے خلاف کام کر کے اپنے آپ کو خود نقصان اور ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔

(باقی)

چند نایاب اسلامی کتب اور انکی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تفسیر القرآن۔ مکمل آٹھ جلدوں میں (اردو) قرآن پاک کی بہترین تفسیر۔ اصلی قیمت مکمل سٹ ۲۱ روپیہ آٹھ آنے غیر مجلد۔ رعایتی قیمت مجلد ۱۴ روپے۔ غیر مجلد ۱۲ روپے۔ جواہر قرآنی۔ علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ۔ اصلی قیمت ایک روپیہ۔ رعایتی قیمت دس آنے۔ کلید خزائن قرآنی۔ قرآن پاک کا مکمل انڈکس اسکی مدد سے کسی آیت کا ایک لفظ یا کلمہ یاد ہو تو بلا تامل پوری آیت مع نشان سورت مل جاتی ہے اسکے علاوہ اس کتاب کی مدد سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں لفظ کتنی مرتبہ اور کہاں کہاں آیا ہے۔ قیمت رعایتی مجلد پانچ روپیہ۔ انجیل برنباس۔ اس مقدس اور اصلی انجیل کا اردو ترجمہ جسکو حاملان دین عیسوی نے عہد تاریک میں نیست و نابود کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی کیونکہ اس میں حضرت رسول خدا کے ظہور کی تصریح موجود ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔ فاتحۃ العلوم تفسیر کبیر مصنفہ امام فخر الدین رازی کی جلد اول کا ترجمہ۔ سورۃ الحمد کی مکمل تفسیر کا اردو ترجمہ۔ کاغذ قدرے بوسیدہ۔ اصلی قیمت تین روپے۔ رعایتی قیمت ۲ روپے۔ سیرۃ الرسول معروف بہ سیرۃ ابن ہشام کا اردو ترجمہ دو حصوں میں۔ قیمت مکمل سٹ ۲ روپے۔ رعایتی ۱۲/۔ تاریخ مراکش۔ مراکش کی مکمل و جامع تاریخ۔ مراکش کے مشہور مورخ محمد ابن احمد کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ ۳ جلدوں میں۔ اصلی قیمت ۳ روپے۔ رعایتی ۲ روپے (نوٹ)۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار ہوگا۔ تفسیر القرآن کے آرڈر کے ساتھ دو روپے پیشگی آنے چاہئیں۔ ورنہ تعمیل ارشاد نہ ہوگی۔ تفسیر القرآن بوجہ وزنی ہونے کے بذریعہ ریلوے پارسل جا سکتی ہے اس لیے اپنے قریبی سٹیشن کا نام ضرور لکھیں۔

منیجر ایشیا بکڈپو لاہور

تفسیر سورۂ فاتحہ

ازافادات مولانا حمید الدین فراہیؒ

ترجمہ مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ فاتحہ کی تفسیر لکھنے کے لیے بعض باتیں بطور یادداشت قلمبند کرلی تھیں، یہ یادداشت فاتحہ نظام القرآن کے ساتھ چھاپ دی گئی ہے۔ اس کی حیثیت مرتب تصنیف کی نہیں ہے اس لیے اس سے استفادہ عام لوگوں کے لیے مشکل ہے لیکن ہے یہ قیمتی فوائد پر مشتمل۔ اس لیے اس کے ضروری مطالب کا ترجمہ ان صفحات میں شائع کیا جاتا ہے۔ اس کے بعض حصے بالکل رموز و اشارات کی قسم کے ہیں وہ عام اردو داں طبقہ کے لیے کچھ مفید نہ ہوتے۔ وہ میں نے ترجمہ سے نکال دیے ہیں۔ جب یہ ترجمہ بشکل کتاب شائع کرنے کی نوبت آئے گی، اس میں شامل کر لیے جائیں گے۔ بعض فوائد بعنوان "تذکرہ" تھے وہ بھی میں نے ترجمہ میں نہیں لیے۔ اختصار و ابہام کی وجہ سے بغیر توضیح کے ان کا ترجمہ مفید نہ ہوتا اور اس کے لیے دوسری فرصت کی ضرورت ہے۔ اس میں مولف رحمہ اللہ نے متعدد مقامات پر توضیح و تفصیل کے وعدے کیے ہیں لیکن وہ وعدے اس یادداشت کو پیش نظر رکھ کر نہیں کیے ہیں بلکہ اپنی مافی الذہن کتاب کے لحاظ سے کیے ہیں۔ ناظرین کو یہ بات سامنے رکھنی چاہیے ورنہ ان کو جگہ جگہ مایوسی ہوگی۔ (مترجم)

فصل اول

جس طرح ایک گوہر آبدار میں مختلف تابناک پہلو ہوتے ہیں، اسی طرح اس سورۃ کے نظام کے بھی مختلف رخ ہیں۔ میں اس کے مختلف رخوں کو ایک ایک کرکے سامنے لانا چاہتا ہوں۔

۱۔ (پہلا رخ)، یہ سورۃ قرآن مجید کا دیباچہ اور بالاجمال اس کے تینوں علوم[1] کی جامع ہے۔ چنانچہ علما نے اس کا نام مُوَفِّیہ (پورا کرنے والی) رکھا ہے۔ دیباچۂ قرآن اور جامع علوم سہ گانہ ہونے کی وجہ سے یہ خود ایک

[1] توحید، رسالت، معاد (مترجم)

مستقل قرآن ہے کیونکہ دیباچہ کتاب اصل کتاب پر ایک شئے مزید ہوتا ہے۔ لیکن یہ معاملہ کا صرف ایک پہلو ہے حقیقت کے اعتبار سے، دیباچہ کتاب، کتاب کا ایک جزء ہوتا ہے۔ سورۃ کی یہ حیثیت ہمارے علماء پر خود قرآن سے روشن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا احسانِ عظیم جتاتے ہوئے فرمایا ہے وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۔ ہم نے تم کو سات دہرائی ہوئی اور قرآن عظیم دیا۔ سلف سے لے کر خلف تک علماء کا اتفاق ہے کہ "سبع مثانی" سے مراد یہی سورۂ فاتحہ ہے۔ اس تاویل کو سامنے رکھ کر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک علیحدہ "قرآن عظیم" قرار دیا ہے۔ گویا یہ سات آیتیں مجموعہ سے الگ ایک مستقل شان رکھتی ہیں۔ اور اگر عطف کو تفسیر کے لیے نہ مانا جائے، بلکہ اس کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ ہم نے تم کو سات آیتیں دیں اور ان کے ساتھ قرآن عظیم دیا، تو بھی یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ ساتوں آیتیں قرآن پر زائد ہیں اور بہر شکل ان کی حیثیت ایک مستقل اور جامع حیثیت ہے۔

یہیں سے وہ بات صاف ہو جاتی ہے جو روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں سورۂ فاتحہ نہیں تھی۔ قرآن مجید دراصل سینوں کی حفاظت میں ہے۔ حضرت جبریلؑ اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آئے۔ اُن سے آنحضرت صلعم نے لیا۔ آپ نے اپنے صحابۂ کرامؓ کو سکھایا۔ صحابہؓ نے اس کو زبانی محفوظ کیا اور پھر مزید حفاظت کے لیے اس کو مصحف میں بھی جمع کر لیا۔ پس اگر یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فاتحہ اپنے مصحف میں نہیں لکھی تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر مسلمان کے سینہ میں لکھی ہوئی ہے اور ہر روز ایک مسلمان کی زبان اس کو ۳۲ مرتبہ سے زیادہ دہراتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس چیز کو ہمارے سینہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا وہ بہتر سے بہتر طریق پر محفوظ ہو گئی۔ وہ چیز اب روح اور جسم کے ساتھ ہے۔ کوئی جابر سے جابر بادشاہ بھی ہم سے اس کو چھین نہیں سکتا اور کسی لمبے سے لمبے سفر میں بھی، اپنے مال و متاع کی طرح، تمھیں اس کے نقل و حفاظت کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں رہی۔

اس موقع پر عربوں کی یہ خصوصیت بھی قابلِ ذکر ہے کہ جتنی بات وہ زبانی محفوظ رکھ سکتے تھے اس کو ضبط

تحریر میں لانے کی زحمت نہیں اُٹھاتے تھے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح محفوظ کیا۔ امت میں حفاظ کی اتنی کثیر تعداد پیدا کر دی کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہے۔ توریت کے معاملہ میں یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ کلمۂ توحید کو زبانی محفوظ کر لیں۔ اس کے علاوہ جو احکام تھے وہ ایک صحیفہ میں محفوظ کر دیے گئے جو آہستہ آہستہ فراموش اور ضائع ہو گئے۔ یہ سورۃ چونکہ ہمارے لیے نماز کی سورۃ قرار پائی اس وجہ سے امت پر واجب ہوا کہ لوگ اس کو سینوں میں محفوظ کر لیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اس کا مقصد یہی تھا لیکن بعض لوگوں نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ گمان کیا کہ انھوں نے اس سورۃ کو سرے سے مصحف ہی سے خارج کر دیا حالانکہ اس سے ان کا دامن پاک ہے۔

۲۔ رہا یہ سوال کہ تمام علوم قرآن کی یہ جامع کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید بالاجمال تین قسم کے علوم پر مشتمل ہے۔ توحید، شرائع، معاد۔ اگر ہم ان تینوں کی ایسی تشریح کرنے کی کوشش کریں کہ یہ پھیل کر پورے قرآن کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں تو ہم اصل بحث سے ہٹ کر ایک وسیع الاطراف بحث میں اُلجھ جائیں گے اور ہمارے لیے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ جو شخص تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا اس پر یہ حقیقت خود بخود روشن ہو جائے گی۔ لیکن ہمارے اس کہنے کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ قرآن مجید کا کچھ حصہ توحید کے بیان میں ہے، کچھ شرائع کے بیان میں اور کچھ معاد کے بیان میں اور یہ تینوں مباحث علیحدہ علیحدہ پائے جاتے ہیں۔ قرآن میں مباحث کی یہ ترتیب ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ یہ سارے علوم اس میں باہمدگر ملے جلے ہوتے ہیں، علیحدہ علیحدہ ایک دوسرے سے بالکل ممتاز اور نمایاں صورت میں نہیں ہوتے۔ سورۂ فاتحہ میں بھی ان مضامین کے اجتماع کی نوعیت یہی ہے۔ توحید ایک تشریف کی طرح سورت کی پوری قامت پر پڑی ہوئی ہے اور اس کے نیچے شرائع اور معاد کے مطالب ہیں۔ سورۃ کی تفسیر سے ان شاء اللہ یہ تمام اشارات روشنی میں آ جائیں گے۔

۳۔ اوپر کی تفصیلات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ یہ سورۃ نماز کے لیے کیوں مخصوص کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نے فاتحہ پڑھ لی اس نے بالاجمال گویا سارے قرآن کو پڑھ لیا۔ اور جب تفصیلات کا علم ہو چکا ہو تو ایک اجمالی اشارہ ان سب کی یادداشت کو تازہ کر دینے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں

کہ یہ سورۃ تکمیلِ نماز کے لیے ہے اور کوئی نماز اس نماز سے زیادہ کامل نہیں ہو سکتی جو ان کلمات پر مشتمل ہو۔ اس معجزانہ اسلوب کے علاوہ دوسرے الفاظ و اسالیب میں بھی اس سورۃ کے مطالب نماز کے لیے ماثور ہوئے ہیں۔ جہاں تک نماز کی تاریخ معلوم ہے کوئی نماز ایسی نہیں معلوم جو فاتحہ کی رُوح سے خالی ہو۔ اسی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بغیر فاتحہ کتاب کے نماز نہیں اور امت کے حال پر کیسی بے پایاں شفقت ہے حضور کی کہ آپ نے فرمایا کہ جو نماز بغیر فاتحہ کے ہو، ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے تاکہ لوگوں پر تکمیلِ نماز کے لیے اس عنصر کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جائے اور اس کو یہود و نصاریٰ کی طرح چھوڑ نہ بیٹھیں۔ یہ چیز اُن کی کتابوں اور انکے انبیا کی تعلیم میں موجود تھی لیکن انھوں نے اس کی قدر نہیں پہچانی جیسا کہ ہم اس کی تفصیل فصل[۲] ..... میں کریں گے۔ ان لوگوں نے اس کو چھوڑ کر اپنی نمازوں میں من گھڑت دعائیں داخل کر لیں۔ ان میں بار بار تبدیلیاں کیں اور پھر ان کی وجہ سے طرح طرح کے جھگڑے اور فتنے برپا کیے لیکن اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ اس کے اندر کا کوئی گروہ بھی اس سورۃ کی عظمت و اہمیت سے غافل نہیں ہے۔ جس طرح نمازوں کی تعداد، ان کی رکعات اور ان کے قیام و قعود کے بارے میں سب متفق اللفظ ہیں اسی طرح اس سورت کے پڑھنے کے بارے میں بھی پورا اتفاق اور اجماعِ کلمہ موجود ہے۔ جس طرح قرآن تبدیل و تحریف سے محفوظ کر دیا گیا اسی طرح ہماری نماز بھی ہر طرح کے تغیر سے محفوظ کر دی گئی۔ پس اس پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم کو یہود و نصاریٰ کی طرح گمراہی اور تاریکی میں بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑا بلکہ ضلالت کے تمام مواقع سے بچا لیا۔ یہ اس امر کا صاف ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت اسلام کے لیے اب بھی عام ہے۔ اس کا سایہ آج بھی ممتد ہے اور قوموں اور امتوں کے لیے اس زمانہ میں بھی وہی نشانِ اُمید ہے۔ اسی مینارہ پر اللہ تعالیٰ کی روشنی چمکتی ہے اور یہی ملتِ بیضا ہے جس کے پاس اللہ کی کتاب اس کے عہد کی حیثیت سے محفوظ ہے اور ہماری نماز اسی عہد کا

---

[۱] عیسائیوں کی سورہ فاتحہ کی طرف اشارہ ہے جو لوقا وغیرہ میں مذکور ہے اور آگے چل کر جس کی مصنف رحمۃ اللہ نے تشریح کی ہے (مترجم)

[۲] دوسری فصل میں اس کی تفصیل کسی قدر ملے گی (مترجم)

ایک نشان ہے جیسا کہ توریت، انجیل اور قرآن سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل تفسیر سورۂ فتح کے آخر میں ملیگی۔

یہ امور ہم نے اس لیے بیان کیے ہیں کہ اس سورت کی منزلت، نیز اس نماز کی عظمت و اہمیت ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے جس میں یہ خلوص کے ساتھ پڑھی جائے اور اُن لوگوں کے دعوے کی غلطی آشکار ہو جائے جو کہتے ہیں کہ اسلام، خدانخواستہ، اللہ کی روشنی سے محروم ہو کر مخذول ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا اور آپ سے نصرت اور اتمام نعمت کا وعدہ فرمایا هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَدِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ تاکہ اس کو سارے دین پر غالب کرے۔ اور تاریخ گواہ ہے کہ اس وعدہ کو پورا فرمایا۔ آپ کی فتوحات کی بشارتیں اس قدر کثرت کے ساتھ وارد تھیں کہ یہود آپ کے ظہور کے بعد کفار پر غلبہ کے امیدوار تھے۔ كَانُوۡا يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا۔ کتب مقدسہ میں اُن لوگوں کی تعریف کی گئی تھی جو یروشلم میں داخل ہونے والے تھے۔ اور خود قرآن مجید میں اسلام کے شجرۂ طیبہ کی ہونہاری اور برکت بخشی کا ذکر ان لفظوں میں وارد ہے ذٰلِكَ مَثَلُهُمۡ فِی التَّوۡرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمۡ فِی الۡاِنۡجِیۡلِ ۚ كَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ

کیا جس کے ظہور کی بشارتیں اتنے شاندار لفظوں میں سنائی گئی تھیں وہ محض افسانہ تھا؛ اور جس مبارک درخت کی خیرات و برکات اتنی بے پایاں بیان ہوئی تھیں وہ کوئی گھوڑے کا پودا تھا جو آن کی آن میں اُگا اور اکھاڑ لیا گیا! حاشا و کلا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ سرافگندگی اور نامرادی صرف باطل کا حصہ ہے۔ حق سربلند ہونے اور پھلنے پھولنے کے لیے آیا ہے۔

۴۔ (دوسرا رُخ)۔ یہ پڑھ چکے ہو کہ سورۂ فاتحہ دیباچۂ قرآن ہونے کی وجہ سے تمام علوم قرآن کی جامع ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ قرآن کے علوم سہ گانہ کی جامع ہے اسی طرح قرآن کے نظم کی بھی جامع ہے۔ یعنی اگر تم فاتحہ کی تلاوت کرو تو قرآن اپنی پوری نظمی ہیئت میں تمہارے سامنے آجائے گا۔ گویا یہ

ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جس کے اندر قرآن عظیم کا پورا عالم جھلک رہا ہے۔ یہ اس کے جامع اور موفیہ ہونے کا دوسرا رخ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن بحیثیت مجموعی غور کرو تو نظر آئے گا کہ یہ اللہ کی حمد سے شروع ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ اسلام کے اصولِ ظاہری و باطنی کی تفصیل کرتا ہوا کمال فتح و نصرت[1]، مخالفین کی ہلاکت[2] اور تکمیل فرضِ نبوت تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد سورۂ اخلاص آخری عہد کی حیثیت سے نمودار ہوتی ہے۔ اور جب اس ترتیب کے ساتھ اس شہر قدسی کی تکمیل، اس کی شہر پناہ اور برجوں کی تعمیر ہو چکتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر دو پہرہ دار کھڑے کر دیئے گئے ہیں یا دو تلواریں لٹکا دی گئی ہیں جو اس کی حفاظت کر رہی ہیں۔ ہماری مراد معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) سے ہے۔ گویا قرآن مجید ایک جنتِ عدن ہے جس پر دو کڑ دبی چمک دار تلواریں لیے ہوئے نگرانی کر رہے ہیں۔ تفصیل اس کی سورتوں کے نظام کی تشریح کے سلسلہ میں ملے گی۔

قرآن مجید کی یہ تصویر نگاہوں کے سامنے رکھو اس کے بعد سورۂ فاتحہ پر غور کرو۔ اس چھوٹے سے نگین کے اندر بھی وہ پورا شہرستانِ معانی تمہیں نظر آئے گا جو قرآن میں دیکھ چکے ہو۔ اس کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔ پھر عدل نمایاں ہوتا ہے جو تمام معاملات پر حاوی ہے۔ پھر عبادات کی دو اصلیں سامنے آتی ہیں۔ پھر صراط مستقیم (یعنی توحید و سنت) نمودار ہوتی ہے۔ پھر تعوذ ہے اور معوذتین کی طرح یہاں بھی تعوذ ظاہری اور تعوذ باطنی دونوں ہیں۔ شرح اس اجمال کی طویل ہے۔ آخری سورتوں کی تفسیر جب تمہارے سامنے ہو تو اس مقابلہ کا اصلی حسن بے نقاب ہو گا[3]۔ تاہم سورۃ کے کلمات کی تفسیر کے ذیل میں ہم بعض امور کی طرف اشارہ کریں گے۔ اب اسی روشنی میں دیکھو تو مجموعی قرآن کی طرح یہ سورۃ بھی جنت عدن کے مثل ہے جس پر دو کڑ دبی پہرہ دے رہے ہیں۔ یہ تشبیہ کوئی شاعرانہ خیال آرائی نہیں ہے بلکہ ایک اہم حقیقت ہے جس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ کریں گے۔

---

[1] سورہ نصر کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔

[2] سورۂ تبّت کی طرف اشارہ ہے۔

[3] جو لوگ اس مقام کی تفصیل کے طالب ہوں وہ سورۂ کافرون، کوثر اور لہب کی تفسیروں کی ابتدائی فصلیں پڑھیں (مترجم)

۵۔ (تیسرا رخ) یہ سورۃ نماز کی سورۃ ہونے کی وجہ سے جب سارے قرآن پر مقدم ہوئی تو اس سے لازمی نتیجہ ایک تو یہ نکلا کہ نماز دین کے اولین احکام میں سے ہے اور دوسرا یہ کہ جو شخص نماز کا تارک ہے وہ دراصل سارے دین کا تارک ہے۔ چونکہ یہ بات بطریق اشارہ مستنبط ہوئی تھی اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ کتاب و سنت میں اس کی تحقیق کی جائے سو تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمارا استنباط کتاب و سنت کے بالکل مطابق ہے۔ اس اشارہ کی صحت کے بعد ہمارے نزدیک نماز کا مرتبہ بہت اونچا ہو گیا کیونکہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اپنے عہد کا سررشتہ قرار دیا ہے۔ سورہ بقرہ کی تفسیر میں، فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کے تحت ہم نے لکھا ہے کہ اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عہد نماز ہے جب تک ہم نماز پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا رشتہ مضبوط رہے گا۔ اس وقت تک ہم اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے۔ اور اس دشمن ازلی سے بھی مامون رہیں گے جو ہمارے پہلو میں ہے، جیسا کہ قرآن میں اجمالاً و تصریحاً اس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ، نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور ترک نماز کی وجہ سے بعض ملتوں کی گمراہی کا ذکر ان لفظوں میں ہوا ہے فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آئے جنھوں نے نماز ضائع کر دی اور شہوتوں کے پیچھے پڑ گئے، وہ بہت جلد ہی گمراہی سے دوچار ہوں گے۔ یہ آیت انبیاء کرام اور ان کی انعام یافتہ جماعت کے ذکر کے بعد آئی ہے جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ نماز کا ترک اللہ کی منعم علیہم جماعت سے نکل جانے کے مرادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاتحہ میں خاص طور پر اس بات کے لیے دعا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک اور انعام یافتہ جماعت کے نقش قدم پر چلائے۔

یہاں اسی پر بس کرتے ہیں۔ سورہ حج میں اَلَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ کے تحت اس کی تشریح ملے گی۔ علاوہ ازیں سورہ مومنون، سورہ بقرہ آیت حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ اور سورہ کوثر میں بھی اس باب کے نہایت اہم حقائق بیان ہوئے ہیں۔ [۱] (باقی)

[۱] اس کے بعد مصنف نے کئی فصلوں میں سورۃ کے بعض اشارات کی تفصیل کی ہے۔ جو عام ناظرین کے لئے مفید نہ ہو گی۔

مطبوعات

امام ابن تیمیہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق ضخامت ۲۷۲ صفحات مجلد قیمت ۲؎ مکتبہ اُردو لاہور۔

یہ علامہ ابن تیمیہ کی سیرت پر ایک اچھی مفصل کتاب ہے جس میں ان کے حالات اور ان کے علمی و اصلاحی کارناموں کو کافی شرح و بسط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اُردو زبان میں علامۂ موصوف کے متعلق اتنی تفصیلی معلومات اب تک یکجا جمع نہ ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے مولف کی یہ محنت قابلِ قدر ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کتاب میں علمی سنجیدگی، متانت، تحقیق اور محققانہ تنقید کی بہت کمی ہے۔ اس کو کچھ ایسے رنگ میں لکھا گیا ہے جس کی ایک پی، ایچ، ڈی سے توقع نہ تھی۔ اول تو اس میں سوانح نگاری کے اُسی قدیم طرز کی پیروی کی گئی ہے جو ہمارے ہاں کی کتب سوانح کا عام عیب ہے کہ ایک مصنف جس کی سیرت لکھنے بیٹھتا ہے اسے اپنا "ھیرو" قرار دے کر انسانِ کامل بلکہ ایک طرح کا فوق الانسان ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے کہ تنقید کر کے اس کا اور اُس کے کام کا بے لاگ محاسبہ کرے۔ پھر اس پر مزید ستم یہ ہے کہ اس علمی مقالہ میں جگہ جگہ نہایت غیر موزوں طریقہ سے کہیں قصیدہ کی زبان استعمال کی گئی ہے، کہیں وعظ کا اور کہیں ڈرامے کا طرزِ بیان اختیار کیا گیا ہے اور کہیں بے تکلفی کے ساتھ سستی اخباری زبان مستعار لے لی گئی ہے، حتیٰ کہ بعض مقامات پر "مشرقی" انداز خطابت استعمال کرنے میں بھی تامل نہیں کیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اصلاح قوم" کے لیے ضرورت سے زیادہ جوش و خروش مولف کو بار بار بے قابو کر دیتا ہے۔ خیر، زبان کی اس بے اعتدالی کو بھی کسی نہ کسی طرح گوارا کیا جا سکتا تھا، لیکن خیالات کی بے اعتدالی اس سے زائد ہے کہ اسے برداشت کیا جا سکے۔ مثال کے طور پر ایک جگہ جناب مولف یہ دکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ جب نوعِ انسانی کے حالات میں غیر معمولی خرابیاں رونما ہوتی ہیں تو اصلاح کے لیے بڑے بڑے نفوسِ قدسیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ حضرات ابراہیم، لوط، موسیٰ، مسیح اور محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ابن تیمیہ و ابن

حنبل رحمہما اللہ کے ساتھ حافظ، نظامی اور غالب کا ذکر اس طرح کر جاتے ہیں کہ گویا یہ سب ایک ہی قبیل کے لوگ ہیں۔ ایک اور موقع پر انھوں نے تصوف اور اہلِ تصوف پر تنقید کرتے ہوئے یہاں تک بے اعتدالی سے کام لیا ہے کہ معروف کرخی، بایزید بسطامی، ذوالنون مصری اور شیخ عبدالقادر جیلانی جیسے صلحائے امت کو بھی اہلِ ضلال کے زمرے میں شامل کر دیا حالانکہ مولف کے ممدوح علامہ ابن تیمیہ خود ان میں سے اکثر کے مداح تھے۔ پھر ابن تیمیہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے تو مولف نے کمال ہی کر دیا ہے۔ پہلے ان کے جنازے کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں کہ "۷۵ ہزار عورتیں چھتوں پر چڑھ کر دہائی دے رہی ہیں، بال نوچ رہی ہیں، گریبان چیر رہی ہیں، ڈھائی لاکھ مردوں کا طوفانِ عظیم نوحوں اور فریادوں اور جگر خراش صداہائے نالہ وشیون سے تمام فضا کو لرزا رہا ہے اور ۲۵ ہزار عورتیں بے تابانہ جنازہ گاہ تک کھچی چلی آتی ہیں"۔ پھر یہ سب کچھ بیان کرنے کے بعد بات اس جملہ پر ختم کرتے ہیں کہ ھٰذن اتکون جنائز اھل السنۃ۔ مولف کو اپنے جذبات کے جوش میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ اوپر جس حالت کا نقشہ انھوں نے کھینچا ہے وہ جنائزِ اہلِ سنت کی شان کے بالکل خلاف تھی اور ابن تیمیہ غریب پر اس سے بڑھ کر کوئی ظلم نہ ہو سکتا تھا کہ جس سنت کی ترویج کے لیے اس نے تمام عمر اپنا خون پانی ایک کیا، اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی عین اس کے سر پر اسی سنت کو جاہلوں نے یوں بے دردی کے ساتھ پامال کیا اور اپنے نزدیک یہ سمجھے کہ ابن تیمیہ کی روح کو خراجِ تحسین پیش کرنے کی بہترین صورت یہی ہے۔

ہمارا کتب خانہ

الجہاد فی الاسلام :- ختم شد۔

رسالہ دینیات :- (اردو) قیمت بے جلد ۱۲ر

مجلد ایک روپیہ۔

سیاسی کشمکش :- حصہ اول (زیر طبع) (۸ر)

" حصہ دوم (زیر طبع) (عہ ر)

" حصہ سوم (زیر طبع) (عہ ر)

مسئلہ قومیت :- قیمت بے جلد ایک روپیہ (عہ ر)

تنقیحات :- قیمت بے جلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

مجلد دو روپے۔

پردہ :- قیمت بے جلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔ مجلد عہ

خطبات :- قیمت بے جلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔ مجلد دو روپے

تفہیمات :- (زیر طبع) قیمت دو روپے۔

سلامتی کا راستہ :- قیمت ایک عدد تین آنے

اسلام کا نظریہ سیاسی :- قیمت ایک عدد تین آنہ۔

اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے :- قیمت ایک عدد (۳ر)

اسلام اور جاہلیت :- قیمت ایک عدد تین آنے

نیا نظام تعلیم :- قیمت ایک عدد ۲ر

تجدید و احیاء دین :- قیمت آٹھ آنے۔

ایک اہم استفتاء :- قیمت ایک آنہ

سیرت سید احمد شہید :- (طبع جدید) تالیف سید ابوالحسن علی ندوی۔ قیمت بے جلد عہ مجلد عہ

الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر :- (طبع جدید) قیمت بے جلد عہ

ترجمان القرآن حقوق الزوجین نمبر :- قیمت عہ

ہمارے نبی کے صحابہ :- قیمت آٹھ آنہ

ٹوورڈز انڈرسٹینڈنگ اسلام :- یہ کتاب رسالہ دینیات کا انگریزی ترجمہ ہے۔ ہندوستان بھر کے انگریزی جرائد اور مجلات نے اس کی تعریف میں شاندار فقرے لکھے ہیں۔ قیمت مجلد عہ

نیشنلزم اینڈ انڈیا :- قومیت کے موضوع پر مولانا کے بعض شاندار مضامین کا انگریزی ترجمہ۔ قیمت ۶ر

پراسس آف اسلامک ریوولیوشن :- "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے" کا انگریزی ترجمہ۔ قیمت ۶ر

کانسپشن آف اسلامک اسٹیٹ :- "اسلام کا نظریہ سیاسی" کا انگریزی ترجمہ ہے۔ قیمت ۳ر

ملنے کا پتہ دفتر رسالہ ترجمان القرآن، ادارہ دار الاسلام، پٹھان کوٹ

خالی صفحه